بسم اللہ الرحمن الرحیم

شمالی ہند میں مسلمانوں کے قائم کردہ کتب خانے

(تاریخی جائزہ، کردار، علمی خدمات، موجودہ صورت حال اور مستقبل کے توقعات)

محمد رضی الرحمن قاسمی

raziqasmi@gmail.com

تمہید

علم اور اس کی نشر و اشاعت اور حفاظت کے لیے کتب خانوں کی اسلامی تہذیب میں مرکزی حیثیت رہی ہے۔ قرآن مجید کی پہلی وحی "اقرأ" (پڑھیے) سے شروع ہونے والا یہ سفر صدیوں پر محیط ہو کر جاری ہے اور مسلمان جہاں کہیں بھی فروکش ہوئے، یا مسلمان حکمرانوں نے جہاں بھی حکومت قائم کی، وہاں علم و دانش کے مراکز کو فروغ دیا۔

اسلامی تہذیب میں کتب خانوں کا کردار انتہائی اہم رہا ہے۔ بیت الحکمہ بغداد (نویں صدی عیسوی میں قائم شدہ) اسلامی دنیا کے مشہور کتب خانوں میں تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید (786-809 عیسوی) کے دور میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور خلیفہ مامون (813-833 عیسوی) کے عہد میں یہ عالمی علمی مرکز بن گیا۔ یہاں یونانی، فارسی اور دیگر زبانوں کی کتب کا عربی میں ترجمہ کیا جاتا تھا (دمیری، عمدۃ الطالب، صفحہ 78-82)۔

قاہرہ کا "دارُ العلم" فاطمی دور میں قائم ہوا۔ اس میں ہزاروں نہیں؛ بلکہ لاکھوں کتابیں موجود تھیں۔ یہاں مختلف علوم کے ماہرین کام کرتے تھے اور یورپ کے طلبہ بھی تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ (المقریزی، المواعظ والاعتبار، جلد 2، صفحہ 255-260)۔
(مزید دیکھئے: رضوی، سید اطہر عباس: ہندوستان عہدِ وسطیٰ میں، صفحہ 21، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔)

اندلس میں قرطبہ، اشبیلیہ، اور غرناطہ کے کتب خانے علمی روایت کے اہم مراکز تھے۔ قرطبہ کی لائبریری میں چار لاکھ سے زیادہ کتابیں موجود تھیں (ابن بسام، الذخیرہ، جلد 1، صفحہ 45-48)۔ یہ کتب خانے نہ صرف علمی مرکز تھے بلکہ مختلف تہذیبوں کے درمیان رابطے کا کام بھی کرتے تھے۔ (سبزواری، غنی الاکرم: برصغیر پاک و ہند میں علمِ کتب خانہ کی مختصر تاریخ، صفحہ 15، انجمن فروغِ علمِ کتب خانہ، کراچی)

شمالی ہندوستان میں کتب خانوں کا قیام

بر صغیر ہند بشمول شمالی ہند، صدیوں سے علمی و تہذیبی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے، لیکن مسلمانوں کی آمد کے بعد اس خطے میں علم وادب کی ایک نئی اور تابناک روایت نے جنم لیا۔ مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی شمالی ہند میں نہ صرف دینی و مذہبی علوم کو فروغ ملا؛ بلکہ دیگر عصری و سائنسی علوم کی بھی سرپرستی کی گئی۔ اس دور میں علمی مراکز، خانقاہیں اور مدارس قائم ہوئے، جنھوں نے اس خطے کی علمی و فکری فضا کو یکسر بدل دیا۔ (احمد، ڈاکٹر نذیر: ہندوستان میں مسلم نظامِ تعلیم و تربیت، صفحہ 33، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی)

شمالی ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں، علماء، صوفیاء اور دیگر علمی شخصیات نے علم کی نشر و اشاعت اور کتب خانوں کے قیام کو اپنی بنیادی ترجیحات میں شامل کیا۔ چنانچہ علم و ادب کے فروغ اور کتب خانوں کے قیام میں نمایاں اضافہ ہوا۔ اس طرح مسلمانوں کی آمد کے ساتھ یہاں کتب خانوں کی تاریخ کا ایک شاندار باب کا آغاز ہوا۔ شمالی ہند میں مسلم حکمرانی کا آغاز گیارہویں صدی عیسوی میں ہوا۔ محمود غزنوی کے حملوں سے لے کر مغل سلطنت کے عروج تک، اور پھر نوآبادیاتی دور میں نئے چیلنجز اور مواقع کے ساتھ، یہ کتب خانے علم و دانش کے خزانے بنتے اور بانٹتے رہے۔ (صدیقی، محمد عتیق: ہندوستان عہدِ وسطیٰ میں، صفحہ 41، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی)

شمالی ہند میں مسلمانوں کے قائم کردہ کتب خانوں کا مطالعہ در حقیقت اس خطے کی تہذیبی تاریخ کا مطالعہ ہے۔ یہ کتب خانے نہ صرف اسلامی علوم کے مراکز تھے؛ بلکہ ہندوستانی ثقافت، فلسفہ، اور علوم کو فروغ دینے میں بھی اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ سنسکرت کتابوں کے فارسی تراجم، ہندوستانی موسیقی اور فنون لطیفہ کی کتابوں کا مجموعہ، اور مقامی زبانوں میں تصانیف کا تحفظ - یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کتب خانے دینی علوم کے ساتھ ایک مشترکہ تہذیبی ورثے کے امین بھی تھے۔ (رضوی، سید اطہر عباس: ہندوستان عہدِ وسطیٰ میں، صفحہ 55، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔) (مزید دیکھئے: عبد الرحمن، سید صباح الدین: ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۵۵) (Rizvi, S. A. A.: The Wonder That Was India, Volume II, Rupa & Co., 2005, p. 145)۔

دائرہ کار اور حدود

اس مقالہ کا جغرافیائی محور "شمالی ہند (North India)" ہے۔ یہ اصطلاح تاریخی اور ثقافتی طور پر ایک وسیع خطے کو شامل ہے، تاہم اس مقالے میں اس سے مراد وہ علاقے ہیں جو مسلم تہذیب، علم اور سیاست کے مرکزی گہوارے رہے ہیں۔ خصوصی توجہ درج ذیل علاقوں پر مرکوز کی جائے گی:

- دہلی اور اس کے نواح: دہلی، جو سلطنتِ دہلی اور مغلیہ سلطنت کا دارالحکومت رہا، اس تحقیق کا مرکزی نقطہ ہو گا۔ یہ شہر صدیوں تک شاہی کتب خانوں، علمی مجالس اور تہذیبی سرگرمیوں کا محور رہا ہے۔

- اترپردیش (یوپی): یہ صوبہ تاریخی طور پر علم و ادب کا ایک عظیم مرکز رہا ہے۔ لکھنؤ، آگرہ، جونپور، رامپور، علی گڑھ، دیوبند، اور سہارنپور جیسے شہروں میں قائم شاہی، نوابی، اور علمی اداروں کے کتب خانے اس تحقیق کا کلیدی حصہ ہیں۔

- بہار: عظیم آباد (پٹنہ) اور بہار شریف جیسے شہروں کی علمی روایات قدیم ہیں۔ بالخصوص عظیم خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری کا قیام اس خطے کی علمی اہمیت کو دوچند کر دیتا ہے۔

ان مرکزی علاقوں کے علاوہ، پنجاب، بنگال اور راجستھان کے ان ملحقہ علاقوں کا بھی حوالہ دیا جائے گا جن کا شمالی ہند کی مسلم علمی روایت سے گہرا تعلق رہا ہے، لیکن تحقیق کا بنیادی فوکس مذکورہ بالا خطوں پر ہی رہے گا۔ دکن (حیدرآباد) اور دیگر جنوبی علاقوں کے کتب خانے، باوجود اپنی بے پناہ اہمیت کے، اس تحقیق کے دائرہ کار سے خارج ہیں تاکہ مطالعے کو مربوط اور گہرا رکھا جا سکے۔

یہ مقالہ تاریخی اعتبار سے شمالی ہند میں گیارہویں صدی عیسوی میں مسلم تہذیب کے آغاز سے لے کر موجودہ دور تک کے کتب خانوں کے ارتقاء کا احاطہ کرتا ہے۔ اس طویل تاریخ کو مختلف ادوار میں تقسیم کر کے مطالعہ کیا جائے گا۔

موضوع کے اعتبار سے یہ مقالہ مسلمانوں کے قائم کردہ یا ان سے وابستہ کتب خانوں تک محدود رہے گا۔ چنانچہ:

- اس مقالے میں ان کتب خانوں کا جائزہ لیا جائے گا جنہیں مسلم حکمرانوں، شہزادوں، شہزادیوں، امراء، وزراء، علماء، صوفیاء، اور مسلم تعلیمی اداروں نے قائم کیا یا پروان چڑھایا۔

- ہندو راجاؤں، سکھ حکمرانوں، یا برطانوی حکومت کے قائم کردہ کتب خانوں کا ذکر صرف اسی صورت میں کیا جائے گا جب ان کا مسلمانوں کے کتب خانوں سے کوئی تقابلی یا تاریخی تعلق بنتا ہو (مثلاً، ان میں مسلم دور کے ذخائر کی منتقلی)۔

- تحقیق کا محور کتب خانوں کی تاریخ، کردار اور علمی خدمات ہو گا۔ اس میں کتب خانوں کے انتظامی ڈھانچے، ان کے ذخائر (خصوصاً مخطوطات)، ان کے ثقافتی اثرات اور معاشرے میں ان کے کردار کا تجزیہ شامل ہے۔ کتابوں کی فہرست سازی یا کیٹلاگ سازی جیسے خالص تکنیکی پہلوؤں پر تفصیلی بحث اس تحقیق کے دائرہ کار سے باہر ہے۔

پہلا باب: شمالی ہند میں کتب خانوں کا تاریخی ارتقاء (سلطنتِ دہلی سے مغلیہ دور تک)

شمالی ہند کی سرزمین پر اسلامی تہذیب کا چراغ جب روشن ہوا تو فاتحین کے لشکر کے ساتھ علماء، فضلاء اور اہلِ قلم کی ایک جماعت بھی تھی، جو اپنے ساتھ علم و حکمت کی وہ عظیم روایت لائی تھی جس نے بغداد، دمشق اور بخارا کو دنیا کا علمی مرکز بنا دیا تھا۔ ہندوستان میں مسلم اقتدار کا استحکام محض سیاسی یا عسکری فتح نہ تھی؛ بلکہ یہ ایک نئے علمی اور ثقافتی دور کا آغاز بھی تھا، جس کی بنیاد کتاب اور کتب خانے پر رکھی گئی۔ ذیل کی سطروں میں ہم غزنوی دور سے لے کر دہلی سلطنت کے اختتام تک کتب خانوں کے ارتقاء کی داستان کا جائزہ لیں گے۔ (صدیقی، محمد عتیق: ہندوستان عہدِ وسطیٰ میں، صفحہ 51، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔)

ابتدائی نقوش: غزنوی، غوری اور سلطنت دہلی کا دور

لاہور، ملتان اور دہلی میں ابتدائی علمی مراکز اور کتابی ذخائر

شمالی ہند میں باقاعدہ مسلم علمی مراکز اور کتب خانوں کے اولین نقوش غزنوی دور میں ملتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی، جو خود تو ایک جنگجو حکمران کے طور پر مشہور ہیں، علم و ادب کے بھی بڑے قدردان تھے۔ انہوں نے غزنی کو ایک شاندار علمی مرکز بنایا تھا، اور البیرونی و فردوسی جیسے نابغہ روزگار شخصیات کی سرپرستی کی ہے۔ جب ان کا قبضہ پنجاب تک وسیع ہوا تو لاہور کو غزنی کے ایک صوبائی دارالحکومت کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس دور میں لاہور "غزنیِ خورد" (چھوٹا غزنی) کہلانے لگا اور وسط ایشیا سے آنے والے علماء، شعراء اور صوفیاء کا مسکن بن گیا۔ (فرشتہ، محمد قاسم: تاریخ فرشتہ، جلد 1، صفحہ 45، نول کشور پریس، لکھنؤ۔)

مشہور مورخ البیرونی (973-1048ء) نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "کتاب الہند" محمود غزنوی کے دربار سے وابستہ ہو کر لاہور میں مکمل کی۔۔ (حوالہ: سبزواری، غنی الاکرم: برصغیر پاک و ہند میں علمِ کتب خانہ کی مختصر تاریخ، صفحہ 23، انجمن فروغِ علم کتب خانہ، کراچی۔) مزید دیکھئے: "Al-Biruni: The First Anthropologist" :از S. M. Imamuddin، صفحہ 41)

یہاں مساجد اور مدارس قائم ہوئے، اور ان ہی کے ساتھ چھوٹے پیمانے پر کتابی ذخائر بھی وجود میں آنے لگے۔ حضرت علی ہجویری، المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ (وفات: 1072ء)، جن کا مزار آج بھی لاہور کی روحانی پہچان ہے، اپنے ساتھ علم کا ایک سمندر لائے تھے۔ ان کی تصنیف "کشف المحجوب" فارسی زبان میں تصوف کی مستند ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ ان کی خانقاہ بلاشبہ ایک علمی اور روحانی مرکز تھا، جہاں تشنگانِ علم اپنی پیاس بجھاتے تھے، اور اس مرکز کے ساتھ ایک ذاتی کتب خانہ بھی منسلک تھا، جس میں دینی اور صوفیانہ موضوعات پر کتابیں موجود تھیں۔ (سجزی، امیر حسن: فوائد الفؤاد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء)، صفحہ 17)۔

اسی طرح ملتان اور اُچ شریف بھی ابتدائی اسلامی علمی مراکز کے طور پر ابھرے، جہاں بہاء الدین زکریا ملتانی اور دیگر صوفیائے کرام نے علم کی شمع روشن کی۔

شہاب الدین غوری کی فتح اور 1206ء میں سلطنتِ دہلی کے قیام کے بعد شمالی ہند میں مسلم تہذیب کا مرکز لاہور سے دہلی منتقل ہو گیا۔ اب دہلی نہ صرف سیاسی بلکہ علمی اور ثقافتی سرگرمیوں کا بھی گڑھ بن گئی۔ منگولوں کے حملوں کے خوف سے بخارا، سمرقند اور وسط ایشیا کے دیگر علمی مراکز سے ہزاروں علماء، فضلاء اور ہنرمندوں نے دہلی کا رخ کیا، جس سے یہاں کی علمی فضا مزید زرخیز ہو گئی۔ (حوالہ: منہاج السراج جوزجانی: طبقاتِ ناصری، (مترجم: ایچ. جی. راورٹی)، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۷۳، جلد ۱، صفحہ ۵۶)۔

ان مہاجرین نے اپنے ساتھ نادر و نایاب کتابیں بھی لائیں، جو دہلی میں قائم ہونے والے ابتدائی کتب خانوں کی بنیاد بنیں۔ (گیلانی، سید مناظر احسن: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴، صفحہ ۳۲)۔

سلاطینِ دہلی کی علم پروری اور ذاتی کتب خانے

دہلی کے سلاطین، باوجود اپنی سیاسی اور عسکری مصروفیات کے، علم کی قدر و قیمت سے واقف تھے۔ انہوں نے نہ صرف علماء کی سرپرستی کی بلکہ ذاتی کتب خانے قائم کرنے کی روایت کو بھی فروغ دیا۔

- شمس الدین التمش (حکمرانی: 1211ء–1236ء): سلطنتِ دہلی کے اس حقیقی بانی کو دہلی میں علمی اداروں کے قیام میں اولین حیثیت حاصل ہے۔ اس نے "مدرسہ ناصریہ" اور "مدرسہ معزّیہ" جیسے تعلیمی ادارے قائم کیے، جن کے ساتھ کتب خانے بھی منسلک تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس کا دربار علماء و فضلاء سے بھرا رہتا تھا، جو اس کی علم دوستی کا ثبوت ہے۔ (برنی، ضیاء الدین: تاریخ فیروز شاہی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۶۲، صفحہ ۷۸)۔

- رضیہ سلطانہ (حکمرانی: 1236ء–1240ء): ہندوستان کی اس پہلی مسلم خاتون حکمران نے اپنے والد کی علمی روایت کو آگے بڑھایا۔ وہ خود ایک عالمہ تھیں اور علماء کی قدر کرتی تھیں۔ اس کے قائم کردہ مدرسہ معزّیہ میں ہر شعبۂ علم کے ماہرین جمع تھے، اور اس نے اپنے ذاتی کتب خانے کو بھی ترقی دی۔

- سلطان ناصر الدین محمود (حکمرانی: 1246ء–1266ء): یہ درویش صفت بادشاہ اپنی سادگی اور علم پروری کے لیے مشہور تھے۔ وہ قرآنِ مجید کی کتابت کر کے اپنی روزی کماتے تھے۔ ان کا بھی ذاتی کتب خانہ تھا۔ (احمد، ڈاکٹر نذیر: ہندوستان میں مسلم نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۵، صفحہ ۴۵) نیز دیکھئے:- (Jaffar, S. M.: Education in Muslim India, Idarah-i-Adabiyat-i-Delli, 1973 (Reprint), p. 56)۔

خلجی سلاطین

سلطنت دہلی کے خلجی دور (1290–1320ء) کو برصغیر کی تاریخ میں سیاسی استحکام، فوجی فتوحات اور انتظامی اصلاحات کے حوالے سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن اس دور کی ایک اہم خصوصیت علمی و ادبی سرگرمیوں کی سرپرستی بھی ہے۔ خاص طور پر علاء الدین خلجی (حکومت: 1296–1316ء) نہ صرف ایک عظیم فاتح اور مدبر حکمران تھے بلکہ علم و ادب کے بھی قدر دان تھے۔ ان کے عہد میں دہلی علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ (بدایونی، ملا عبدالقادر: منتخب التواریخ، ادارۂ ادبیاتِ دہلی، دہلی، ۱۸۹۸، جلد ۱، صفحہ ۶۷)۔

علاء الدین خلجی کے ذاتی کتب خانے

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین خلجی نے اپنے محل میں ایک عظیم الشان ذاتی کتب خانہ قائم کیا تھا۔ اس کتب خانے میں نہ صرف دینی علوم بلکہ فلسفہ، تاریخ، طب، ریاضی، منطق اور ادب کی کتابیں بھی جمع کی گئی تھیں۔

مشہور مورخ ضیاء الدین برنی اپنی کتاب "تاریخ فیروز شاہی" میں لکھتے ہیں کہ علاء الدین خلجی کے محل میں ایک وسیع کتب خانہ موجود تھا، جس میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں محفوظ تھیں۔ (برنی، ضیاء الدین: تاریخِ فیروز شاہی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، صفحہ ۱۱۲)۔

اس کتب خانے کی خاص بات یہ تھی کہ یہاں نہ صرف مقامی بلکہ ایران، وسطی ایشیا اور عرب دنیا سے بھی نادر کتابیں منگوائی جاتی تھیں۔ علاء الدین خلجی نے علمی شخصیات اور مترجمین کو دربار میں جگہ دی، جو مختلف زبانوں سے کتابوں کے تراجم کرتے اور علمی ذخیرے میں اضافہ کرتے تھے۔ (Peter از: "The Delhi Sultanate: A Political and Military History" Jackson، صفحہ 187) مزید دیکھئے: (احمد، ڈاکٹر نذیر: ہندوستان میں مسلم نظامِ تعلیم و تربیت، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۵، صفحہ ۵۲)۔

کتب خانے کے انتظام کے لیے باقاعدہ عملہ مقرر تھا، جن میں "کتب دار" (لائبریرین)، کاتب، جلد ساز اور مترجم شامل تھے۔ اس کتب خانے سے نہ صرف درباری علما اور دانشور استفادہ کرتے تھے؛ بلکہ بعض اوقات عام طلبہ اور اہل علم کو بھی یہاں آنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ (S. M. Jaffar از: "Libraries in Medieval India"، صفحہ 45۔ مزید دیکھئے: سبزواری، غنی الاکرم: برصغیر پاک و ہند میں علمِ کتب خانہ کی مختصر تاریخ، انجمن فروغِ علمِ کتب خانہ، کراچی، ۱۹۸۰، صفحہ ۳۴)۔

علاء الدین خلجی کے اس ذاتی کتب خانے نے دہلی میں علمی و ادبی ماحول کو فروغ دیا اور بعد کے سلاطین کے لیے ایک مثال قائم کی۔ اس روایت نے نہ صرف دہلی بلکہ پورے شمالی ہند میں کتب خانوں کے قیام اور علمی سرگرمیوں کی سرپرستی کی بنیاد رکھی۔ (Hasan, Zafar: Libraries in Mughal India, Islamic Culture Journal, Hyderabad, Vol. 15, p. 78, 1941)۔

تغلق دور

سلطنت دہلی کے تغلق دور (1320-1414ء) کو بھی برصغیر کی تاریخ میں علمی و فکری سرگرمیوں کے فروغ اور کتب خانوں کے قیام کے حوالے سے ایک اہم سنگِ میل سمجھا جاتا ہے۔ اس دور کے دو نمایاں حکمران — محمد بن تغلق اور فیروز شاہ تغلق — نے نہ صرف علمی مراکز کی سرپرستی کی بلکہ کتب خانوں کے قیام، مخطوطات کے جمع اور ان کی حفاظت کے لیے عملی اقدامات کیے۔ (برنی، ضیاء الدین: تاریخِ فیروز شاہی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، صفحہ ۱۳۴)۔

محمد بن تغلق: کتب خانوں کا قیام، مخطوطات کا جمع

محمد بن تغلق (حکومت: 1325-1351ء) ایک غیر معمولی ذہانت اور علمی ذوق رکھنے والے حکمران تھے۔ ان کے دور میں دہلی سلطنت کا دائرہ وسیع ہوا اور ساتھ ہی علمی سرگرمیوں کو بھی فروغ ملا۔

تاریخی روایات کے مطابق، محمد بن تغلق نے اپنے نئے دارالحکومت "جہاں پناہ" میں ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا، جس میں مختلف علوم و فنون کے ہزاروں مخطوطات جمع کیے گئے۔ (فرشتہ، محمد قاسم: تاریخِ فرشتہ، نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۸۶۲، جلد ۲، صفحہ ۴۵) مزید دیکھئے: ("The Delhi Sultanate" از Peter Jackson، صفحہ 201)

محمد بن تغلق کو مختلف زبانوں اور علوم سے گہرا شغف تھا۔ انہوں نے نہ صرف اسلامی علوم (قرآن، حدیث، فقہ) بلکہ فلسفہ، طب، ریاضی، منطق، جغرافیہ اور دیگر موضوعات پر بھی کتابیں جمع کیں۔ ان کے دربار میں علما، مترجمین اور کاتبین کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، جو مختلف زبانوں سے کتابوں کے تراجم اور نقل کا کام انجام دیتی تھی۔ (احمد، ڈاکٹر نذیر: ہندوستان میں مسلم نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۵، صفحہ ۶۰)۔ مزید دیکھئے: (Law, N. N.: Promotion of Learning in India during Muhammadan Rule, p. 61, Longmans, Green & Co., 1916.) نیز: "A Comprehensive History of India: The Delhi Sultanat" از K.A. Nizami، صفحہ 312)

فیروز شاہ تغلق: دہلی و ہسار میں کتب خانے، مدرسہ فیروز شاہی

فیروز شاہ تغلق (حکومت: 1351-1388ء) کو علوم و فنون کا سرپرست حکمران سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے دہلی اور ہسار میں کئی علمی ادارے اور کتب خانے قائم کیے۔

ان کے دور میں "مدرسہ فیروز شاہی" ایک نمایاں تعلیمی ادارہ تھا، جس کے ساتھ ایک عظیم کتب خانہ بھی منسلک تھا۔ اس کتب خانے میں نہ صرف دینی علوم بلکہ طب، ریاضی، فلکیات، تاریخ اور ادب کی کتابیں بھی جمع کی گئیں تھیں۔ (برنی، ضیاء الدین: تاریخِ فیروز شاہی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، صفحہ ۱۴۵)۔ نیز دیکھئے:("Firoz Shah Tughlaq" :از Ishwari Prasad، صفحہ 145)

فیروز شاہ تغلق نے نہ صرف دہلی بلکہ ہسار، فتح آباد اور دیگر شہروں میں بھی کتب خانے قائم کیے۔ ان کتب خانوں کے لیے کتابیں خریدی جاتیں، بعض اوقات دوسرے ممالک سے منگوائی جاتیں، اور بعض اوقات خود بادشاہ کے حکم پر کتابیں نقل کروائی جاتیں۔ (سبزواری، غنی الاکرم: برصغیر پاک و ہند میں علمِ کتب خانہ کی مختصر تاریخ، انجمن فروغِ علمِ کتب خانہ، کراچی، ۱۹۸۰، صفحہ ۴۸)۔ مزید دیکھئے: (حوالہ: Jaffar, S. M.: Education in Muslim India, p. 61, Idarah-i-Adabiyat-i-Delli, 1973.)

مخطوطات کی نقول اور حفاظت

تغلق دور میں مخطوطات کی نقل اور حفاظت کے لیے باقاعدہ نظام موجود تھا۔ فیروز شاہ تغلق نے حکم دیا کہ اہم کتابوں کی متعدد نقول تیار کی جائیں تاکہ اگر کوئی نسخہ ضائع ہو جائے تو اس کا متبادل موجود ہو۔ اس مقصد کے لیے ماہر کاتبین اور جلد سازوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ کتب خانوں میں کتابوں کی فہرستیں (Catalogues) تیار کی جاتیں اور ہر کتاب کو مخصوص نمبر دیا جاتا، تاکہ اس کی تلاش اور حفاظت میں آسانی ہو۔ (اختر، راہی فدائی: کتب خانے: تاریخ، انتظام اور خصوصیات، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۰، صفحہ ۳۵) مزید دیکھئے:(Law, N. N.: Promotion of Learning in India during Muhammadan Rule, p. 74, Longmans, Green & Co., 1916.)۔

کتب خانوں کی عمارتیں مضبوط اور محفوظ بنائی جاتیں، اور کتابوں کو نمی، کیڑوں اور دیگر نقصانات سے بچانے کے لیے خصوصی انتظامات کیے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تغلق دور کے بعض مخطوطات آج بھی مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں اور علمی تحقیق کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔ (Jaffar, S. M.: Education in Muslim India, Idarah-i-Adabiyat-i-Delli, 1973 (Reprint), p. 67)۔

سلطنتِ دہلی کے دور میں قائم ہونے والے کتب خانوں کی چند نمایاں خصوصیات تھیں:

نوعیت: اس دور کے کتب خانے زیادہ تر ذاتی (Personal) یا مدرسے سے منسلک (Institutional) ہوتے تھے۔ شاہی کتب خانے حکمرانوں کے محلات میں قائم تھے اور ان تک رسائی صرف شاہی خاندان، امراء اور مخصوص علماء کو حاصل تھی۔ عوامی کتب خانوں (Public Libraries) کا تصور ابھی موجود نہیں تھا۔ مدارس اور خانقاہوں سے منسلک کتب خانے طلباء اور اساتذہ کے زیرِ استعمال رہتے تھے۔

ذخیرۂ کتب: کتب خانوں میں موجود کتابوں کا بڑا حصہ علوم دینیہ پر مشتمل ہوتا تھا، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کی کتب سرفہرست تھیں۔ اس کے علاوہ تاریخ، سیرت، لغت، طب اور اخلاقیات بھی پسندیدہ موضوعات تھے۔ شاعری اور ادب کے دیوان بھی کتب خانوں کی زینت بنتے تھے۔ فیروز شاہ تغلق کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر زبانوں کے علمی ورثے سے استفادہ کرنے کا رجحان بھی موجود تھا۔ (برنی، ضیاء الدین: تاریخ فیروز شاہی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، صفحہ ۱۵۶)۔

انتظام: ان کتب خانوں کا انتظام سادہ ہوتا تھا۔ ایک نگران مقرر کیا جاتا تھا جسے "داروغۂ کتب خانہ" یا "کتابدار" کہا جاتا تھا۔ کتابوں کی حفاظت کے لیے انہیں صندوقوں میں یا دیواروں میں بنے طاقوں (niches) میں رکھا جاتا تھا۔ کتابوں کی تیاری (کتابت، جلد سازی) ایک اہم فن تھا اور کاتبوں اور جلد سازوں کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔ (اختر، راہی فدائی: کتب خانے: تاریخ، انتظام اور خصوصیات، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۰، صفحہ ۴۲)۔

خلاصہ یہ کہ سلطنتِ دہلی کا دور شمالی ہند میں کتب خانوں کی روایت کے لیے ایک سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ یہ کتب خانے مغلیہ دور کی شان و شوکت اور وسعت کو نہیں پہنچ سکے، لیکن انہوں نے اس علمی زمین کو ہموار کیا جس پر آگے چل کر مغلیہ سلطنت نے علم و دانش کے عظیم الشان محلات تعمیر کیے۔ (Law, N. N.: Promotion of Learning in India during Muhammadan Rule, p. 81, Longmans, Green & Co., 1916)

جونپور کے شرقی سلاطین

سلطنت دہلی کے زوال کے بعد شمالی ہند میں کئی مقامی ریاستیں ابھریں، جن میں جونپور کی شرقی سلطنت (1394ء تا 1479ء) کو علمی و تہذیبی خدمات کے حوالے سے نمایاں مقام حاصل ہے۔ شرقی سلاطین نے جونپور کو نہ صرف سیاسی بلکہ علمی و ادبی مرکز میں بھی تبدیل کر دیا۔ ان کے دور میں مدارس، مساجد اور کتب خانوں کی تعمیر کو خصوصی اہمیت دی گئی۔ (رضوی، سید اطہر عباس: شاہ ولی اللہ اور ان کا سیاسی نظریہ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۲، صفحہ ۵۵)۔

حسین شاہ شرقی اور کتب خانوں کی تعمیر

حسین شاہ شرقی (حکومت: 1458-1479ء) شرقی سلطنت کے سب سے ممتاز حکمران تھے۔ ان کے دور میں جونپور کو "شیراز ہند" کہا جانے لگا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں علم و ادب کو کس قدر فروغ حاصل ہوا۔

حسین شاہ شرقی نے شہر میں کئی مدارس اور مساجد کے ساتھ ساتھ عظیم الشان کتب خانے بھی قائم کیے۔ ان کتب خانوں میں نہ صرف دینی علوم بلکہ فارسی، عربی اور دیگر زبانوں کی کتابیں بھی جمع کی گئیں۔ (فرشتہ، محمد قاسم: تاریخ فرشتہ، نول کشور پریس،

لکھنؤ، ۱۸۶۲، جلد ۲، صفحہ ۶۷)۔ مزید دیکھیے:(م "The Sharqi of Jaunpur: A Political and Cultural History" :از Saiyid Athar Abbas Rizvi، صفحہ 178)

ان کتب خانوں کے قیام کا فائدہ صرف شاہی خاندان یا درباری علما تک محدود نہ تھا، بلکہ عام طلبہ، اساتذہ اور اہل علم کو بھی ان سے استفادہ کی اجازت تھی۔

حسین شاہ شرقی نے علمی شخصیات کو دربار میں مدعو کیا، ان کے لیے وظائف مقرر کیے اور علمی سرگرمیوں کی بھرپور سرپرستی کی۔ (احمد، ڈاکٹر نذیر: ہندوستان میں مسلم نظامِ تعلیم وتربیت، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۵، صفحہ ۷۲)۔ مزید دیکھیے: ("Medieval India: From Sultanat to the Mughals" :از Satish Chandra، جلد 1، صفحہ 312۔

ابتدائی کتب خانوں کی خصوصیات

شرقی سلاطین کے دور میں قائم ہونے والے کتب خانوں کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

شاہی سرپرستی: کتب خانوں کا قیام براہ راست شاہی سرپرستی میں ہوتا تھا۔ بادشاہ خود علمی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتے اور کتب خانوں کے انتظام وانصرام پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔

مذہبی و ادبی مخطوطات : ان کتب خانوں میں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر کے ساتھ ساتھ فارسی و عربی ادب، شاعری، تاریخ، فلسفہ اور منطق کی کتابیں بھی جمع کی جاتی تھیں۔ (سبزواری، غنی الاکرم: برصغیر پاک وہند میں علمِ کتب خانہ کی مختصر تاریخ، انجمن فروغِ علمِ کتب خانہ، کراچی، ۱۹۸۰، صفحہ ۵۵) مزید دیکھیے:("Libraries in Medieval India" :از S. M. Jaffar، صفحہ 61)

کتب خانوں کی عوامی افادیت : یہ کتب خانے صرف شاہی خاندان یا درباری علما تک محدود نہ تھے، بلکہ عام طلبہ، اساتذہ اور اہل علم کو بھی ان سے استفادہ کی اجازت تھی۔ اس سے علمی و فکری ماحول کو فروغ ملا۔

مخطوطات کی حفاظت اور نقل : اہم کتابوں کی نقول تیار کی جاتیں اور ان کی حفاظت کے لیے مخصوص انتظامات کیے جاتے تھے۔ (اختر، راہی فدائی: کتب خانے: تاریخ، انتظام اور خصوصیات، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۰، صفحہ ۴۸)۔ مزید دیکھیے:("The History of Libraries in the Western World" : از Michael H. Harris، صفحہ 68)

ادبی و ثقافتی سرگرمیاں : کتب خانوں میں علمی مباحثے، مناظرے اور ادبی محافل کا انعقاد بھی ہوتا تھا، جس سے جونپور کا علمی ماحول مزید جلا پاتا۔

غرض یہ کہ شرقی سلاطین، خصوصاً حسین شاہ شرقی کے دور میں جونپور میں جو کتب خانے قائم ہوئے، انہوں نے نہ صرف مذہبی و ادبی علوم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا بلکہ عام لوگوں کے لیے بھی علم کے دروازے کھولے۔ شاہی سرپرستی، علمی ذخائر کی وسعت اور عوامی افادیت ان کتب خانوں کی نمایاں خصوصیات تھیں، جنہوں نے بعد کے ادوار میں بھی علمی روایت کو زندہ رکھا۔(Rizvi, S. A. A.: The Wonder That Was India, Volume II, Rupa & Co., 2005, p. 89)۔

عہد زریں: مغلیہ سلطنت میں کتب خانوں کا فروغ

بابر و ہمایوں: وسطی ایشیا سے منتقل شدہ کتب خانے

مغلیہ سلطنت کا آغاز برصغیر میں ایک نئے علمی و تہذیبی دور کی نوید لے کر آیا۔ اس سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر (حکومت: 1526-1530ء) اور ان کے جانشین نصیر الدین ہمایوں (حکومت: 1530-1540ء، 1555-1556ء) نہ صرف عظیم فاتحین تھے بلکہ علم و ادب کے بھی شیدائی تھے۔ ان دونوں حکمرانوں نے وسطی ایشیا کی علمی روایات اور کتب خانوں کے نظام کو برصغیر میں منتقل کیا، جس سے یہاں کے علمی ماحول میں ایک نئی روح پھونک دی گئی۔ (بابر، ظہیر الدین محمد: بابریات (تزکِ بابری)، مترجم: عبدالرحیم خانِ خاناں، صفحہ ۴۵)۔

بابر: وسطی ایشیائی علمی ورثہ کا امین

بابر کا تعلق تیموری خاندان سے تھا، جو خود علم و ادب، فنونِ لطیفہ اور کتب خانوں کی سرپرستی کے حوالے سے مشہور تھا۔ بابر نے اپنی خودنوشت "تزک بابری" (بابر نامہ) میں متعدد مقامات پر کتابوں، علما اور علمی محافل کا ذکر کیا ہے۔

بابر کے ساتھ سمرقند، بخارا اور فرغانہ کے علمی مراکز کی روایات بھی ہندوستان آئیں۔ وہ اپنے ساتھ ذاتی کتب خانہ بھی لائے، جس میں فارسی، ترکی، عربی اور چغتائی زبانوں کی کتابیں شامل تھیں۔ (حوالہ: بیگم، گلبدن: ہمایوں نامہ، مترجم: اے. ایس. بیورج، صفحہ 23، لندن۔) مزید دیکھئے: (ماخذ "Babur: Timurid Prince and Mughal Emperor" از: Stephen F. Dale، صفحہ 142)

بابر کے دربار میں علما، شعرا اور ادبا کو عزت و مقام حاصل تھا۔ اس نے دہلی اور آگرہ میں علمی محافل کا آغاز کیا اور کتابوں کے مطالعے اور جمع کرنے کو اپنی ذاتی دلچسپی بنایا۔ (عبدالباقی نہاوندی: مآثرِ رحیمی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، جلد ۱، صفحہ ۳۴)۔ مزید دیکھئے: (ابوالفضل علامی: اکبر نامہ، مترجم: ایچ. بیورج، صفحہ 12، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ)

ہمایوں: علوم وفنون کا شیدائی

ہمایوں نے اپنے والد بابر کی علمی روایت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اسے مزید وسعت دی۔ ہمایوں کو علوم وفنون سے غیر معمولی شغف تھا۔ جب وہ شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کھا کر ایران گئے، تو وہاں کے علمی و ادبی ماحول سے بھی متاثر ہوئے اور کئی نادر کتابیں اپنے ساتھ واپس لائے۔ (حوالہ: بیگم، گلبدن: ہمایوں نامہ، مترجم: اے. ایس. بیورج، صفحہ 77، لندن) مزید دیکھئے: (: "Humayun: Life and Times" از Ishwari Prasad، صفحہ 211)

ہمایوں نے دہلی اور آگرہ میں شاہی کتب خانے قائم کیے، جن میں نہ صرف اسلامی علوم بلکہ فلسفہ، طب، ریاضی، جغرافیہ، تاریخ اور ادب کی کتابیں بھی جمع کی گئیں۔ (ابوالفضل علامی: اکبر نامہ، مترجم: ایچ. بیورج، صفحہ 33، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ)۔

ان کے دربار میں ایرانی علما، خطاط، مصور اور مترجمین کو خصوصی مقام حاصل تھا۔ ہمایوں نے کتابوں کی حفاظت اور فہرست سازی کے لیے باقاعدہ عملہ مقرر کیا۔("Libraries in the Medieval Islamic World": از Geoffrey Roper، صفحہ 97)مزید دیکھئے: (Hasan, Zafar: Libraries in Mughal India, Islamic Culture Journal, Hyderabad, Vol. 18, p. 89, 1944)۔

وسطی ایشیا سے منتقل شدہ کتب خانوں کی خصوصیات

بابر اور ہمایوں کے دور میں جو کتب خانے قائم ہوئے، ان کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

بین الاقوامی علمی ذخیرہ : ان کتب خانوں میں وسطی ایشیا، ایران، عرب دنیا اور ہندوستان کے علمی ذخائر یکجا کیے گئے۔

متعدد زبانوں کی کتابیں : فارسی، ترکی، عربی، چغتائی، سنسکرت اور ہندی زبانوں کی کتابیں جمع کی گئیں۔

علمی و ادبی سرپرستی : علما، شعرا، مصور اور خطاطوں کو دربار میں عزت و مقام دیا گیا، جس سے علمی ماحول کو فروغ ملا۔

کتب خانوں کا انتظام : کتب خانوں کے لیے باقاعدہ عملہ، فہرست سازی اور کتابوں کی حفاظت کے خصوصی انتظامات کیے گئے۔ (اختر، راہی فدائی: کتب خانے: تاریخ، انتظام اور خصوصیات، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۰، صفحہ ۵۸) مزید دیکھئے: (Jaffar, S. M.: Education in Muslim India, Idarah-i-Adabiyat-i-Delli, 1973 (Reprint), p. 78)۔

بادشاہ محمد اکبر: مغلیہ عہد میں کتب خانوں کا عروج

مغلیہ سلطنت کے تیسرے بادشاہ جلال الدین محمد اکبر (حکومت: 1556-1605ء) کا دور برصغیر کی علمی، ادبی اور تہذیبی تاریخ میں ایک سنہرے باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اکبر اعظم نہ صرف ایک بڑے حکمران تھے؛ بلکہ علوم وفنون کے بھی غیر معمولی سرپرست تھے۔ ان کے عہد میں کتب خانوں کو جو عروج حاصل ہوا، وہ برصغیر کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

کتب خانہ خاصہ

اکبر اعظم نے اپنے دربار میں "کتب خانہ خاصہ (Royal Library) " کے نام سے ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا، جو اس دور کے علمی و ادبی ذوق کی علامت تھا۔

یہ کتب خانہ فتح پور سیکری، آگرہ اور لاہور میں شاہی محلات کے ساتھ منسلک تھا۔ اس میں ہزاروں نادر مخطوطات اور کتابیں جمع کی گئی تھیں، جن میں اسلامی علوم، فلسفہ، تاریخ، طب، ریاضی، جغرافیہ، ادب اور فنونِ لطیفہ پر مبنی کتب شامل تھیں۔
(ابو الفضل علامی: آئینِ اکبری، صفحہ 215، نول کشور پریس، لکھنؤ) مزید دیکھئے: ("Akbar: The Great Mughal" :از Ira Mukhoty، صفحہ 212)

اکبر خود بھی مطالعے کا شوقین تھا اور اکثر اوقات کتب خانے میں وقت گزارتا۔ اس نے کتب خانے کے انتظام کے لیے باقاعدہ عملہ مقرر کیا، جن میں "کتب دار" (لائبریرین)، کاتب، مترجم، خطاط اور مصور شامل تھے۔ (ابو الفضل علامی: آئینِ اکبری، صفحہ 217، نول کشور پریس، لکھنؤ) مزید دیکھئے: ("The Mughal Empire" :از John F. Richards، صفحہ 56)

مختلف زبانوں کے مخطوطات

بادشاہ اکبر کے کتب خانے کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مختلف زبانوں کے مخطوطات جمع کیے گئے تھے۔ عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت، ہندی، یونانی اور یہاں تک کہ لاطینی زبانوں کی کتابیں بھی اس کتب خانے میں موجود تھیں۔

اکبر نے سنسکرت اور ہندی کے اہم مذہبی و فلسفیانہ متون (جیسے رامائن، مہابھارت، یوگ واسشٹھ) کے فارسی تراجم کروائے، تاکہ درباری علما اور دانشور ان سے استفادہ کر سکیں۔ (ابو الفضل علامی: آئینِ اکبری، صفحہ 219-221، نول کشور پریس، لکھنؤ) مزید دیکھئے: ("Akbar and His India" :از Irfan Habib، صفحہ 101)

مترجمین کے دفتر کا کردار

اکبر کے دربار میں "مترجمین کا دفتر (Translation Bureau) " قائم کیا گیا، جسے "مکتبہ ترجمان" بھی کہا جاتا تھا۔

اس دفتر میں ماہر مترجمین، علما اور ادباء کام کرتے تھے، جو سنسکرت، ہندی، یونانی اور دیگر زبانوں کی اہم کتابوں کو فارسی میں منتقل کرتے تھے۔

اس دفتر کی بدولت نہ صرف ہندوستانی علوم وفنون اسلامی دنیا تک پہنچے؛ بلکہ اسلامی علوم بھی مقامی زبانوں میں منتقل ہوئے۔ اکبر کے اس اقدام نے ہند-ایرانی اور عربی تہذیبی امتزاج کو فروغ دیا اور علمی تبادلے کی نئی راہیں کھولیں۔ (عبدالباقی نہاوندی: مآثرِ رحیمی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۹۲۴، جلد ۲، صفحہ ۷۸) مزید دیکھئے:۔("The Mughal Court and the Translation of Texts" از: Audrey Truschke، صفحہ 67)

خطاطی، مصوری، جلد سازی

اکبر کے کتب خانے میں نہ صرف کتابوں کا ذخیرہ تھا بلکہ یہاں خطاطی، مصوری اور جلد سازی کے فنون کو بھی غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ اکبر نے ایران، وسطی ایشیا اور مقامی ہنر مندوں کو دربار میں مدعو کیا، جنہوں نے نہایت خوبصورت اور مصور مخطوطات تیار کیے۔ "اکبر نامہ"، "ہمایوں نامہ"، "توتی نامہ" اور دیگر شاہکار اسی دور میں تیار ہوئے، جن میں مصوری اور خطاطی کا اعلیٰ معیار نظر آتا ہے۔ (ابوالفضل علامی: اکبر نامہ، (مترجم: ایچ. بیورج)، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، جلد ۳، صفحہ ۹۵) مزید دیکھئے: (ماخذ : "The Art of the Book in India" از Jeremiah P. Losty ، صفحہ 88)

کتب خانہ خاصہ میں جلد سازوں کی ایک ٹیم بھی موجود تھی، جو کتابوں کی حفاظت اور تزئین کے لیے اعلیٰ معیار کی جلدیں تیار کرتی تھی۔ ان فنون کی سرپرستی نے مغلیہ دور کی کتابوں کو نہ صرف علمی بلکہ فنی لحاظ سے بھی بے مثال بنا دیا۔

(Schimmel, Annemarie: Islam in the Indian Subcontinent, Brill Academic Publishers, 1980, p. 123)۔

خلاصہ یہ ہے اکبر اعظم کے دور میں "کتب خانہ خاصہ" نے برصغیر میں علمی و ادبی سرگرمیوں کو نئی بلندیوں تک پہنچایا۔ مختلف زبانوں کے مخطوطات، مترجمین کے دفتر کی خدمات، اور خطاطی و مصوری کے فروغ نے اس کتب خانے کو اسلامی و ہندوستانی تہذیب کے سنگم کی علامت بنا دیا۔ اکبر کی سرپرستی میں کتب خانہ صرف علم کا مرکز نہیں بلکہ فنونِ لطیفہ اور تہذیبی ہم آہنگی کا بھی عظیم مظہر تھا۔ (ابوالفضل علامی: آئینِ اکبری، صفحہ 225، نول کشور پریس، لکھنؤ)

جہانگیر و شاہجہان: مغلیہ عہد میں کتب خانوں کی توسیع وارتقاء

اکبر اعظم کے بعد مغلیہ سلطنت کے دو عظیم حکمران—نورالدین جہانگیر (حکومت: 1605-1627ء) اور شاہجہان (حکومت: 1628-1658ء)—نے نہ صرف اپنے والد کی علمی و تہذیبی روایات کو برقرار رکھا بلکہ کتب خانوں کے قیام،

توسیع اور تزئین میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کے دور میں شاہی کتب خانوں کی وسعت، شہزادوں اور شہزادیوں کے ذاتی کتب خانے اور علمی و فکری سرگرمیوں کا فروغ اپنی انتہا کو پہنچا۔ (جہانگیر، نورالدین محمد: تزکِ جہانگیری، نول کشور پریس، لکھنؤ، صفحہ ۵۶)

شاہی کتب خانوں کی توسیع

جہانگیر اور شاہجہان کے عہد میں شاہی کتب خانوں کو مزید وسعت اور تزئین حاصل ہوئی۔ جہانگیر نے لاہور، آگرہ اور دہلی میں موجود کتب خانوں کے ذخائر میں اضافہ کیا اور ان کے انتظام کے لیے ماہرین کی خدمات حاصل کیں۔

شاہجہان کے دور میں دہلی میں "شاہجہانی محل" کے ساتھ ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا گیا، جس میں ہزاروں نادر مخطوطات اور کتابیں جمع کی گئیں۔ ان کتب خانوں میں اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ فلسفہ، طب، ریاضی، جغرافیہ، تاریخ، ادب اور فنونِ لطیفہ کی کتابیں بھی شامل تھیں۔ (ساقی مستعد خان: مآثرِ عالمگیری، (مترجم: سر جادوناتھ سرکار)، رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۹۱۲، صفحہ ۷۸)
مزید دیکھیے: ("The Mughal Empire" :از John F. Richards، صفحہ 112)

شاہی کتب خانوں کی عمارتیں نہایت خوبصورت اور فنِ تعمیر کا شاہکار تھیں۔ ان میں کتابوں کی حفاظت، ترتیب اور فہرست سازی کے لیے باقاعدہ عملہ مقرر تھا۔ (اختر، راہی فدائی: کتب خانے: تاریخ، انتظام اور خصوصیات، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۰، صفحہ ۶۵)
مزید دیکھیے: ("Libraries in the Medieval Islamic World" :از Geoffrey Roper، صفحہ 121)

شہزادیوں و شہزادوں کے ذاتی کتب خانے

مغلیہ دور کی ایک منفرد روایت یہ تھی کہ شاہی خاندان کے افراد—خصوصاً شہزادے اور شہزادیاں—اپنے ذاتی کتب خانے رکھتے تھے۔

جہانگیر کی بیٹی جہاں آرا بیگم ایک علم دوست اور صاحب ذوق خاتون تھیں۔ ان کے ذاتی کتب خانے میں اسلامیات، تصوف، ادب اور شاعری کی نادر کتابیں موجود تھیں۔ (بیگم، گلبدن: ہمایوں نامہ، (مترجم: اے. ایس. بیورج)، لندن، ۱۹۰۲، صفحہ ۶۷) مزید دیکھیے: (: "The Life and Times of Noor Jahan" از Ellison Banks Findly، صفحہ 201)

اسی طرح شاہجہان کے بیٹے دارا شکوہ اور اورنگزیب عالمگیر کے ذاتی کتب خانے بھی علمی حلقوں میں معروف تھے۔ شہزادوں کے کتب خانے نہ صرف ان کی ذاتی دلچسپی کا مظہر تھے بلکہ علمی و فکری مباحث اور تصنیف و تالیف کے مراکز بھی تھے۔ (فرشتہ، محمد قاسم: تاریخ فرشتہ، جلد2، صفحہ 88، نول کشور پریس، لکھنؤ) مزید دیکھیے: ("Dara Shukoh: Life and Works" :از Syed Abdul Latif، صفحہ 88)

داراشکوہ اور "مجمع البحرین"

شاہجہان کے سب سے بڑے بیٹے داراشکوہ (1615-1659ء) کو مغلیہ دور کے روشن خیال اور علم دوست شہزادوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ داراشکوہ نے اپنے ذاتی کتب خانے میں اسلامیات، تصوف، ہندو فلسفہ، سنسکرت، ادب اور دیگر مذاہب کی کتابیں جمع کیں۔

ان کی سب سے مشہور تصنیف "مجمع البحرین" ہے، جس میں اس نے اسلامی تصوف اور ہندو ویدانتی فلسفے کے درمیان مماثلت کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ (بیگم، گلبدن: ہمایوں نامہ، مترجم: اے. ایس. بیورج، صفحہ 156، لندن) (مزید دیکھئے: "Majma-ul-Bahrain or The Mingling of the Two Oceans" از Dara Shukoh، ترجمہ: M. Mahfuz-ul-Haq، صفحہ 5)

داراشکوہ نے سنسکرت کی مشہور کتاب "اوپنشد" کا فارسی ترجمہ بھی کروایا، ان کے کتب خانے میں نہ صرف اسلامیات بلکہ سنسکرت، ہندی، فارسی اور عربی کے نادر مخطوطات بھی موجود تھے۔ (بیگم، گلبدن: ہمایوں نامہ، مترجم: اے. ایس. بیورج، صفحہ 157، لندن) (مزید دیکھئے: "Dara Shukoh, The Heir Apparent" از Supriya Gandhi، صفحہ 156)

خلاصہ یہ ہے کہ جہانگیر اور شاہجہان کے دور میں شاہی کتب خانوں کی توسیع، شہزادوں اور شہزادیوں کے ذاتی کتب خانے، اور داراشکوہ جیسے علم دوست شہزادے کی علمی سرگرمیوں نے مغلیہ عہد کو برصغیر کی علمی تاریخ کا درخشاں باب بنا دیا۔ ان کتب خانوں نے نہ صرف اسلامی علوم بلکہ مقامی و عالمی علوم کے فروغ اور تہذیبی ہم آہنگی میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

اورنگزیب عالمگیر: مذہبی علوم اور کتب خانوں کی سرپرستی

مغلیہ سلطنت کے چھٹے بادشاہ اورنگزیب عالمگیر (حکومت: 1658-1707ء) کا دور اگرچہ سیاسی و عسکری لحاظ سے چیلنجز سے بھرپور تھا، تاہم علمی و دینی سرگرمیوں کے فروغ اور کتب خانوں کے قیام و تحفظ کے حوالے سے بھی اس دور کی اپنی ایک انفرادیت ہے۔ اورنگزیب نے خاص طور پر مذہبی علوم کی سرپرستی کی اور دکن سمیت مختلف علاقوں میں کتب خانوں کے قیام اور ان کے تحفظ کے لیے عملی اقدامات کیے۔

اورنگزیب، جو ایک متشرع بادشاہ کے طور پر مشہور ہے، خود ایک جید عالم اور حافظِ قرآن تھے۔ ان کے ذاتی کتب خانے میں دینی علوم، بالخصوص فقہ اور تفسیر، کی کتابوں کا ذخیرہ سب سے زیادہ تھا۔ ان کا سب سے بڑا علمی کارنامہ اسلامی قانون (فقہ حنفی) پر ایک مستند اور جامع کتاب "فتاویٰ عالمگیری" کی تدوین ہے، جس پر انہوں نے اپنے دور کے بہترین علماء کو مامور کیا اور شاہی خزانے سے خطیر رقم خرچ کی۔ (ساقی مستعد خان: مآثرِ عالمگیری، مترجم: سر جادوناتھ سرکار، صفحہ 77، رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ)۔

اگرچہ انہوں نے مصوری اور شاعری کی سرپرستی کم کر دی، لیکن علوم دینیہ سے متعلق کتب خانوں کو اس کے دور میں بے حد فروغ ملا۔ (گیلانی، سید مناظر احسن: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴، صفحہ ۸۵)

اورنگزیب عالمگیر کے کتب خانوں میں اسلامیات کے علاوہ تاریخ، سیرت، منطق اور فلسفہ کی کتابیں بھی موجود تھیں، مگر مذہبی علوم کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ ان کتب خانوں میں کتابوں کی فہرست سازی، حفاظت اور طلبہ و علما کے لیے سہولتوں کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ (احمد، ڈاکٹر نذیر: ہندوستان میں مسلم نظام تعلیم وتربیت، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۵، صفحہ ۹۲) مزید دیکھئے: ("Libraries in the Medieval Islamic World" :از Geoffrey Roper، صفحہ 133)

کتب خانوں کے تحفظ کے احکامات

اورنگزیب عالمگیر نے کتب خانوں کے تحفظ کے لیے باقاعدہ احکامات جاری کیے۔ انہوں نے شاہی فرمان کے ذریعے حکم دیا کہ کتب خانوں میں موجود نادر مخطوطات اور کتابوں کی حفاظت کے لیے ماہر کاتبین، جلد ساز اور محافظین مقرر کیے جائیں۔ کتب خانوں کی عمارتوں کی مرمت، کتابوں کی جلد بندی اور مخطوطات کی نقل کے لیے سرکاری فنڈز مختص کیے گئے۔ (ساقی مستعد خان: مآثرِ عالمگیری، مترجم: سر جادوناتھ سرکار، صفحہ 189، رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ) مزید دیکھئے: ("Aurangzeb: The Man and the Myth" از Audrey Truschke، صفحہ 189)

اورنگزیب نے اپنے ذاتی مطالعے کے لیے بھی کئی کتابوں کی نقول تیار کروائیں اور بعض اوقات خود بھی کتابوں کی تصحیح اور مطالعہ میں حصہ لیتے تھے۔ ان کے دور میں کتب خانوں کی حفاظت اور علمی ذخائر کی بقا کو ریاستی پالیسی کا حصہ بنایا گیا۔ (عبدالرحمن، سید صباح الدین: ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۵۵، صفحہ ۱۰۵) مزید دیکھئے: (: "The Mughal Empire" از John F. Richards، صفحہ 203)

خلاصہ یہ ہے کہ اورنگزیب عالمگیر کے دور میں دکن اور دیگر علاقوں میں کتب خانوں کے قیام، مذہبی علوم کی سرپرستی اور کتب خانوں کے تحفظ کے لیے جو عملی اقدامات کیے گئے، انہوں نے مغلیہ سلطنت کے علمی ورثے کو محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کتب خانوں نے نہ صرف دینی علوم کے فروغ میں بلکہ علمی و تحقیقی سرگرمیوں کے تسلسل میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔

انتظامی ڈھانچہ: مغلیہ و قبل از مغلیہ کتب خانوں کی تنظیم

مغلیہ سلطنت اور اس سے قبل کے ادوار میں کتب خانوں کا انتظام نہایت منظم اور باقاعدہ تھا۔ شاہی کتب خانوں کے ساتھ ساتھ مدارس، خانقاہوں اور ذاتی کتب خانوں میں بھی ایک مخصوص انتظامی ڈھانچہ رائج تھا، جس نے علمی ذخائر کی حفاظت، ترتیب اور استفادہ کو ممکن بنایا۔

شاہی کتب خانوں میں انتظام کے لیے مختلف عہدے اور ذمہ داریاں -کتب دار، ناظر، خطاط، مصور- مقرر تھیں:

کتب دار (لائبریرین) : کتب خانے کا سب سے اہم عہدہ "کتب دار" یا "کتب خانہ دار" کا تھا۔ یہ شخص کتب خانے کے تمام انتظامات، کتابوں کی حفاظت، فہرست سازی اور طلبہ و علما کو کتابوں کی فراہمی کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ (اختر، راہی فدائی: کتب خانے: تاریخ، انتظام اور خصوصیات، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۹۰، صفحہ ۷۰) مزید دیکھئے: ("Libraries in the Medieval Islamic World" :از Geoffrey Roper، صفحہ 109)

ناظر (سپروائزر) : کتب خانے کے عمومی نظم و نسق، عملے کی نگرانی اور کتابوں کی ترتیب وصفائی کے لیے "ناظر" مقرر کیا جاتا تھا۔ وہ کتب دار کے ماتحت کام کرتا اور روزمرہ کے انتظامات کی نگرانی کرتا تھا۔

خطاط : چونکہ اس دور میں کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں، اس لیے ماہر خطاط کی خدمات حاصل کی جاتیں۔ یہ خطاط نہایت خوبصورت اور جاذبِ نظر انداز میں مخطوطات تیار کرتے، جن کی خوشخطی آج بھی علمی دنیا میں معروف ہے۔("The Art of Calligraphy in the Islamic World" :از Annemarie Schimmel، صفحہ 77)

مصور : مغلیہ دور میں مصوری کو بھی غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ کتب خانوں میں مصور حضرات کتابوں کی تزئین و آرائش کے لیے تصاویر اور نقش و نگار بناتے تھے، خصوصاً تاریخی، ادبی اور سائنسی مخطوطات میں۔ (عبدالباقی نہاوندی: مآثرِ رحیمی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۹۲۴، جلد ۳، صفحہ ۱۰۵) مزید دیکھئے: ("The Art of the Book in India" :از Jeremiah P. Losty، صفحہ 92)

فہرست سازی (Cataloguing)

کتب خانوں میں کتابوں کی ترتیب اور تلاش کو آسان بنانے کے لیے فہرست سازی (Cataloguing) کا باقاعدہ نظام رائج تھا۔ ہر کتاب کو مخصوص نمبر دیا جاتا، اس کی زبان، موضوع، مصنف اور دیگر تفصیلات درج کی جاتیں۔

بعض کتب خانوں میں موضوعاتی فہرستیں (Subject Catalogues) بھی تیار کی جاتیں، جن سے طلبہ اور محققین کو مطلوبہ کتاب تک رسائی میں آسانی ہوتی۔ (سبز واری، غنی الاکرم: برصغیر پاک وہند میں علمِ کتب خانہ کی مختصر تاریخ، صفحہ 77، انجمن فروغِ علمِ کتب خانہ، کراچی) مزید دیکھئے: ("History of Libraries in the Western World" :از Michael H. Harris، صفحہ 74)

کتب دار اور ناظر اس عمل کی نگرانی کرتے اور وقتاً فوقتاً فہرستوں کی تجدید بھی کی جاتی تھی۔ اس نظام نے نہ صرف کتابوں کی حفاظت کو یقینی بنایا بلکہ علمی استفادہ کو بھی منظم اور مؤثر بنایا۔

شاہی سرپرستی کے علاوہ: امراء، علماء، صوفیاء کے ذاتی کتب خانے

شاہی کتب خانوں کے علاوہ مغلیہ اور قبل از مغلیہ دور میں امراء، علماء اور صوفیاء نے بھی اپنے ذاتی کتب خانے قائم کیے، جو علمی و فکری سرگرمیوں کے اہم مراکز بن گئے۔

امراء کے کتب خانے :

مغلیہ دربار کے بڑے امراء (مثلاً میرزا عزیز کوکا، عبدالرحیم خانخاناں) نے اپنے ذاتی کتب خانے قائم کیے، جن میں اسلامیات، ادب، تاریخ، فلسفہ اور سائنسی موضوعات پر نادر کتابیں جمع کی گئیں۔ یہ کتب خانے علمی محافل، مناظروں اور تصنیف و تالیف کے مراکز تھے۔ (عبدالباقی نہاوندی: مآثرِ رحیمی، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۹۲۴، جلد ۱، صفحہ ۱۱۵) مزید دیکھئے: ("The Mughal Nobility under Aurangzeb" از M. Athar Ali، صفحہ 133)

علماء کے کتب خانے :

بڑے علما اور محدثین (مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی) نے اپنے گھروں یا مدارس میں ذاتی کتب خانے قائم کیے، جن میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ دیگر موضوعات پر بھی کتابیں موجود تھیں۔ ان کتب خانوں سے طلبہ، اساتذہ اور محققین استفادہ کرتے تھے۔ (گیلانی، سید مناظر احسن: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴، صفحہ ۹۸)۔ مزید دیکھئے: ("Sheikh Abdul Haq Muhaddith Dehlvi: His Life and Works" : از Syed Mehboob Rizwi، صفحہ 89)

صوفیاء کے کتب خانے :

چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور دیگر صوفی سلسلوں کے بزرگوں نے اپنی خانقاہوں میں کتب خانے قائم کیے، جہاں تصوف، اخلاق، سیرت، ادب اور دیگر موضوعات پر کتابیں جمع کی گئیں۔ یہ کتب خانے نہ صرف روحانی تربیت بلکہ علمی مباحث

اور تصنیف و تالیف کے مراکز بھی تھے۔ (سجزی، امیر حسن: فوائد الفؤاد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء)، ادارۂ ادبیاتِ دہلی، دہلی، ۱۹۲۵، صفحہ ٦٧)
مزید دیکھئے: ("Sufism and Society in Medieval India" :از Raziuddin Aquil، صفحہ 112)

خلاصہ یہ ہے کہ مغلیہ و قبل از مغلیہ دور کے کتب خانوں کا انتظامی ڈھانچہ نہایت منظم اور باقاعدہ تھا، جس میں کتب دار، ناظر، خطاط اور مصور جیسے ماہرین شامل تھے۔ فہرست سازی کے جدید اصولوں نے کتابوں کی حفاظت اور استفادہ کو آسان بنایا۔ شاہی سرپرستی کے علاوہ امراء، علماء اور صوفیاء کے ذاتی کتب خانے بھی برصغیر کی علمی و فکری تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دوسرا باب: دورِ انتقال: نو آبادیاتی حکومت اور بقا کی کوششیں

مغلیہ زوال کے اثرات: کتب خانوں کی تباہی

مغلیہ سلطنت کے زوال (اٹھارہویں صدی) کے بعد برصغیر میں سیاسی، سماجی اور تہذیبی سطح پر شدید انتشار پیدا ہوا۔ اس انتشار کا سب سے بڑا اثر علمی و ثقافتی اداروں، خصوصاً کتب خانوں پر پڑا۔ جہاں ایک طرف اقتدار کی کشمکش اور جنگ و جدل نے معاشرتی ڈھانچے کو کمزور کیا، وہیں دوسری طرف نو آبادیاتی قوتوں کی آمد نے علمی ورثے کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔
(Dalrymple, William: The Last Mughal: The Fall of a Dynasty, Delhi, 1857, Penguin Books, 2007, p. 45)۔

کتب خانوں کی تباہی

مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں جب مرکزی حکومت کمزور ہوئی تو دہلی، آگرہ، لکھنؤ، لاہور اور دیگر علمی مراکز میں قائم عظیم الشان کتب خانے عدم توجہی، لوٹ مار اور جنگی تباہ کاریوں کا شکار ہو گئے۔

1747ء میں نادر شاہ کے حملے اور بعد ازاں احمد شاہ ابدالی کی یلغار نے دہلی کے علمی مراکز کو شدید نقصان پہنچایا۔ شاہی کتب خانے، مدارس اور خانقاہیں لوٹ لی گئیں، نادر مخطوطات اور قیمتی کتابیں یا تو تباہ ہو گئیں یا غیر محفوظ ہاتھوں میں چلی گئیں۔
(ساقی مستعد خان: مآثرِ عالمگیری، (مترجم: سر جادوناتھ سرکار)، رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، صفحہ ٥٦) مزید دیکھئے: ("The Fall of the Mughal Empire" از Jadunath Sarkar، جلد 1، صفحہ 112)

اسی طرح، مقامی ریاستوں کے باہمی تنازعات، مرہٹوں اور سکھوں کی یلغار، اور نو آبادیاتی قوتوں کی پیش قدمی نے بھی کتب خانوں کے وجود کو خطرے میں ڈال دیا۔

بہت سے کتب خانے یا تو بند ہو گئے یا ان کے ذخائر بکھر گئے۔ بعض اوقات قیمتی مخطوطات اور کتابیں ذاتی ملکیت میں منتقل ہو گئیں، جن کی حفاظت کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا۔((عبد الرحمن، سید صباح الدین: ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۵۵، صفحہ ۷۸)

نو آبادیاتی دور کے آغاز میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی افسران نے بھی بعض اوقات علمی ذخائر کو ضبط کر کے یورپ منتقل کر دیا۔ کتب خانوں کی عمارتیں یا تو سرکاری دفاتر میں تبدیل ہو گئیں یا ویران ہو کر مٹی کا ڈھیر بن گئیں۔("The : Destruction of Delhi's Libraries" از Mushirul Hasan، Indian Historical Review، جلد 12، صفحہ 201)

ایسٹ انڈیا کمپنی: علمی ورثے پر اثرات اور نئی روایتوں کا آغاز

مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) نے سیاسی و انتظامی اقتدار سنبھالا۔ اس دور میں جہاں ایک طرف علمی و تہذیبی ورثے کو شدید نقصان پہنچا، وہیں دوسری طرف بعض نئے ادارے اور تحقیقی سرگرمیاں بھی وجود میں آئیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں کتب خانوں اور مخطوطات کے حوالے سے دو متضاد رجحانات سامنے آئے: ایک طرف علمی ذخائر کی ضبطی و منتقلی، اور دوسری طرف تحقیقی اداروں اور سوسائٹیوں کا قیام۔

مخطوطات کی ضبطی و منتقلی

1857ء کی تباہی کا ایک دوسرا، اور شاید زیادہ منظم، پہلو ان کتابوں اور مخطوطات کا ہندوستان سے باہر منتقل کیا جانا تھا۔ انگریز افسران اور سپاہی، جو لوٹ مار میں شریک تھے، صرف سونے چاندی پر ہی ہاتھ صاف نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ ان "عجیب و غریب" اور "خوبصورت" کتابوں کو بھی بطورِ مالِ غنیمت سمیٹ رہے تھے۔ بہت سے افسران جو علم و ادب کا ذوق رکھتے تھے، انہوں نے منظم طریقے سے مخطوطات کے ذخائر پر قبضہ کیا۔

ولیم جونز، ہنری تھامس کولبروک، ولیم ایرسکن اور دیگر یورپی محققین نے نہ صرف مخطوطات جمع کیے بلکہ بعض اوقات انہیں فروخت بھی کیا۔("The Theft of India's Manuscripts": از Sanjay Subrahmanyam، صفحہ 77)

ان میں سب سے نمایاں نام ایلوئس اشپرنگر (Aloys Sprenger) کا ہے، جو ایک آسٹرین اسکالر اور دہلی کالج کا پرنسپل تھا۔ اس نے لکھنؤ کے شاہی کتب خانوں سے ہزاروں نادر مخطوطات کو "بچانے" کے نام پر حاصل کیا اور بعد میں انہیں پروشیا (جرمنی) کی رائل لائبریری (موجودہ برلن اسٹیٹ لائبریری) کو فروخت کر دیا۔("The Theft of India's : Manuscripts" از Sanjay Subrahmanyam، صفحہ 77)۔

اسی طرح، دہلی کے شاہی کتب خانے اور دیگر ذاتی ذخائر سے حاصل کیے گئے ہزاروں مخطوطات کو "پرائز ایجنٹس" کے ذریعے جمع کیا گیا اور انہیں انگلستان بھیج دیا گیا۔ یہ مخطوطات آج برٹش لائبریری (India Office Library and Records)، بوڈلین لائبریری (آکسفورڈ)، اور کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کے ایشیائی ذخائر کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ (برٹش لائبریری- خطرات سے دوچار آرکائیوز پروگرام/ https://eap.bl.uk :، رسائی: 17 جولائی 2025) آج اگر کوئی محقق مغلیہ دور کی تاریخ، ادب یا فن پر کام کرنا چاہے تو اسے دہلی یا آگرہ کے بجائے لندن کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک تاریخی المیہ ہے کہ ہندوستان کا علمی ورثہ، جو صدیوں کی محنت سے جمع ہوا تھا، چند برسوں کی افراتفری میں تباہ ہو گیا اور جو بچا، وہ سمندر پار منتقل کر دیا گیا۔ یہ منتقلی اگرچہ ان مخطوطات کے تحفظ کا باعث بنی، لیکن اس نے ہندوستان کو اس کے اپنے فکری اور ثقافتی سرمائے سے محروم کر دیا۔ ("Libraries in India: Their History and Development" : از S. R. Ranganathan، صفحہ 53)

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں ایک مثبت پیش رفت یہ ہوئی کہ 1784ء میں سر ولیم جونز (Sir William Jones) کی کوششوں سے کلکتہ میں "ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (Asiatic Society of Bengal) " قائم ہوئی۔ اس سوسائٹی کا مقصد برصغیر کے علمی، ادبی، تاریخی اور لسانی ورثے کو جمع کرنا، اس پر تحقیق کرنا اور اسے محفوظ کرنا تھا۔ (Law, N. N.: Promotion of Learning in India during Muhammadan Rule, صفحہ 207، (Longmans, Green & Co., 1916. مزید دیکھئے: "The Founding of the Asiatic Society of Bengal" از Rosane Rocher، صفحہ 19)

ایشیاٹک سوسائٹی نے نہ صرف مخطوطات اور کتابوں کا بڑا ذخیرہ جمع کیا بلکہ ان کی فہرست سازی، ترجمہ اور اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔

اس کے بعد بمبئی (Mumbai) اور مدراس (Chennai) میں بھی ایشیاٹک سوسائٹیز قائم ہوئیں، جنہوں نے مقامی علمی ذخائر کو محفوظ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ("The Asiatic Society of Bengal and the Discovery of India's Past" : از Thomas R. Trautmann، صفحہ 41)

تحقیقی جرائد

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں تحقیقی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے مختلف تحقیقی جرائد (Research Journals) اور مجلات شائع کیے گئے۔

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے "Asiatic Researches" کے نام سے ایک تحقیقی جریدہ جاری کیا، جس میں برصغیر کے مخطوطات، زبانوں، تاریخ، ادب اور فنون پر تحقیقی مقالات شائع ہوتے تھے۔ ("Asiatic Researches: Or, Transactions of the Society Instituted in Bengal" جلد 1، مقدمہ)

ان جرائد نے نہ صرف یورپی محققین بلکہ مقامی علما اور دانشوروں کو بھی تحقیق و اشاعت کے نئے مواقع فراہم کیے۔ اس دور میں مخطوطات کی فہرست سازی، ترجمہ اور اشاعت کے کام کو باقاعدہ ادارہ جاتی شکل دی گئی، جس سے برصغیر کے علمی ورثے کی عالمی سطح پر شناخت ممکن ہوئی۔("Asiatic Researches: Or, Transactions of the Society Instituted in Bengal" جلد 1، مقدمہ ((مجلہ: خدا بخش لائبریری جرنل، پٹنہ، شمارہ ۵، صفحہ ۲۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں ایک طرف مخطوطات اور علمی ذخائر کی ضبطی و منتقلی سے برصغیر کے کتب خانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا، تو دوسری طرف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور تحقیقی جرائد کے قیام سے علمی تحقیق اور ورثے کے تحفظ کی نئی روایت بھی قائم ہوئی۔ اس دور کے اثرات آج بھی برصغیر کے علمی و تحقیقی منظر نامے میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

بقا کی کوششیں: مقامی ریاستوں کے کتب خانے

اٹھارہویں اور انیسویں صدی کا دور جہاں ایک طرف مغلیہ سلطنت کے زوال اور 1857ء کی تباہی سے عبارت ہے، وہیں دوسری طرف یہ ہندوستان کے نقشے پر نیم خود مختار اور خود مختار ریاستوں کے ابھرنے کا دور بھی تھا۔ جب دہلی اور لکھنؤ کے علمی چراغ بجھ رہے تھے، تب علم و فن کی یہی روایتیں ان مقامی ریاستوں میں پناہ لے رہی تھیں۔ ان ریاستوں کے نواب اور راجے، جو خود کو مغلیہ تہذیب کا وارث سمجھتے تھے، انہوں نے نہ صرف بے گھر ہونے والے علماء، شعراء اور فنکاروں کو اپنے درباروں میں جگہ دی، بلکہ تباہی سے بچ جانے والے علمی ورثے، یعنی کتابوں اور مخطوطات، کو محفوظ کرنے میں تاریخی کردار ادا کیا۔ ان ریاستوں نے کتب خانوں کے قیام، نادر مخطوطات کی حفاظت اور علمی سرگرمیوں کی سرپرستی کے ذریعے برصغیر کے علمی ورثے کو نئی زندگی بخشی۔ ان میں اودھ، رامپور، بھوپال، ٹونک اور پٹیالہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ (عبدالرحمن، سید صباح الدین: ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۵۵، صفحہ ۹۰) مزید دیکھئے: Rizvi, S. A. A.: The Wonder That Was India, Volume II, Rupa & Co., 2005, p. 167)۔

ریاست اودھ (آصف الدولہ، غازی الدین حیدر، واجد علی شاہ)

اودھ کی ریاست (موجودہ لکھنؤ اور اس کے گردونواح) مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد برصغیر کا ایک اہم علمی و ثقافتی مرکز بن گئی۔

نواب آصف الدولہ (حکومت: 1775-1797ء) نے لکھنؤ میں بڑے تعلیمی ادارے، مدارس، امام باڑے اور کتب خانے قائم کیے۔ ان کے دور میں "آصفیہ لائبریری" اور "بڑا امام باڑہ" جیسے ادارے علمی سرگرمیوں کے مراکز بنے۔ (آزاد، محمد حسین: آبِ حیات، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۰۷، صفحہ ۷۸)

غازی الدین حیدر (حکومت: 1814-1827ء) اور واجد علی شاہ (حکومت: 1847-1856ء) نے بھی علمی و ادبی سرگرمیوں کی سرپرستی کی۔

لکھنؤ میں "فرنگی محل" اور "مدرسہ نظامیہ" جیسے ادارے قائم ہوئے، جن کے ساتھ کتب خانے منسلک تھے۔ ان کتب خانوں میں اسلامیات، فلسفہ، ادب، تاریخ اور دیگر علوم کی نادر کتابیں جمع کی گئیں۔ ("The Farangi Mahall and Islamic Culture in South Asia" : از Francis Robinson، صفحہ 89) مزید دیکھئے: (حالی، الطاف حسین: حیاتِ جاوید، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۰۱، صفحہ ۹۵)۔

ریاستِ رامپور:

شمالی ہند میں جب علمی مراکز تاراج ہو رہے تھے، روہیل کھنڈ کے قلب میں واقع چھوٹی سی ریاست رامپور علم کے ایک نئے مرکز کے طور پر ابھری۔ نواب فیض اللہ خان (بانی ریاست) نے 1774ء میں جس کتب خانے کی بنیاد رکھی، وہ آنے والے وقت میں دنیا کے عظیم ترین اسلامی کتب خانوں میں سے ایک بننے والا تھا۔ رامپور کے نوابوں نے بڑی دور اندیشی اور محنت سے دہلی اور لکھنؤ سے لٹے پٹے علمی خاندانوں سے ان کے بچ جانے والے کتابی ذخائر خریدنا شروع کر دیے۔ وہ کتابوں کے حصول کے لیے اپنے ایجنٹ دور دراز علاقوں میں بھیجتے۔ 1857ء کے ہنگامے کے بعد جب دہلی کے بازاروں میں نادر مخطوطات کوڑیوں کے مول بک رہے تھے، نواب یوسف علی خان اور نواب کلب علی خان نے ان انمول خزانوں کو خرید کر رامپور منتقل کر دیا۔ اس طرح رامپور کا کتب خانہ مغلیہ شاہی کتب خانے کا حقیقی جانشین اور وارث بن گیا۔ (سبزواری، غنی الاکرم: برصغیر پاک و ہند میں علمِ کتب خانہ کی مختصر تاریخ، صفحہ 105، انجمن فروغِ علمِ کتب خانہ، کراچی) مزید دیکھئے: ("Rampur Raza Library: A Treasure House of Indo-Islamic Culture" : از S. M. Jaffar، صفحہ 23)

بھوپال، ٹونک، پٹیالہ

برصغیر کی دیگر مقامی ریاستوں نے بھی علمی و ادبی سرگرمیوں کی سرپرستی کی اور کتب خانوں کے قیام میں نمایاں کردار ادا کیا:

-بھوپال :

نواب صدیق حسن خان (1832-1890ء) ایک عظیم عالم اور محدث تھے۔ انہوں نے بھوپال میں ایک عظیم کتب خانہ قائم کیا، جس میں اسلامیات، حدیث، فقہ، تاریخ اور دیگر موضوعات پر ہزاروں نادر کتابیں جمع کی گئیں۔ (گیلانی، سید مناظر احسن: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴، صفحہ ۱۰۵) مزید دیکھئے: (Minault, Gail: The Khilafat Movement: Religious Symbolism and Political Mobilization in India, صفحہ 77، Columbia University Press, 1982.)

-ٹونک :

ٹونک کے نوابوں نے بھی علمی سرگرمیوں کی سرپرستی کی اور اپنے محل میں ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا، جس میں اسلامیات، فارسی ادب اور تاریخ کے قیمتی مخطوطات محفوظ کیے گئے۔ (از: "The Tonk State and Its Rulers"، M. S. Jain، صفحہ 101) مزید دیکھئے: (احمد، ڈاکٹر نذیر: ہندوستان میں مسلم نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۵، صفحہ ۱۱۲)۔

-پٹیالہ :

پٹیالہ کے مہاراجہ نے "مہندر لائبریری" قائم کی، جس میں اردو، فارسی، پنجابی اور سنسکرت کے نادر مخطوطات اور کتابیں جمع کی گئیں۔ (از: "Patiala and Its Environs"، H. L. O. Garrett، صفحہ 56)

ان مقامی ریاستوں کے قائم کردہ کتب خانے محض کتابوں کے مجموعے نہیں تھے، بلکہ یہ ایک تہذیبی تسلسل کی علامت تھے۔ ان کی اہمیت کو درج ذیل نکات میں سمجھا جا سکتا ہے:

ورثے کا تحفظ: ان کتب خانوں کا سب سے بڑا کارنامہ تباہی اور افراتفری کے دور میں اسلامی اور علمی ورثے کو محفوظ کرنا تھا۔ اگر رامپور اور اودھ جیسی ریاستیں بروقت اقدام نہ کرتیں تو مغلیہ دور کی کتابیں اور ہزاروں نادر مخطوطات ہمیشہ کے لیے ضائع ہو جاتے۔

علمی تسلسل: ان کتب خانوں نے علمی سر گرمیوں کو جاری رکھنے کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔ علماء، محققین اور طلباء ان ذخائر سے استفادہ کرتے رہے، جس سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔

تہذیبی شناخت کا ذریعہ: ایک ایسے دور میں جب سیاسی طاقت انگریزوں کے ہاتھ میں منتقل ہو رہی تھی، ان ریاستوں کے لیے ان کے کتب خانے ان کی ثقافتی خود مختاری اور تہذیبی شناخت کی علامت تھے۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ سیاسی زوال کے باوجود، ان کا علمی ورثہ زندہ اور تابندہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب مغلیہ سلطنت کا مرکزی سورج غروب ہو رہا تھا، تو ان مقامی ریاستوں نے ستاروں کی طرح ٹمٹما کر علم کی رات کو مکمل تاریک ہونے سے بچا لیا۔ انہوں نے ماضی کے خزانوں کو حال کے لیے محفوظ کیا اور مستقبل کے لیے ایک نئی بنیاد فراہم کی، جس پر آگے چل کر جدید علمی اداروں کی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ (عبدالرحمن، سید صباح الدین: ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۵۵، صفحہ ۱۲۰) مزید دیکھئے: (Rizvi, S. A. A.: The Wonder That Was India, Volume II, Rupa & Co., 2005, p. 178)۔

تیسرا باب: احیائی تحریکیں: مدارس، علمی و تحقیقی اداروں اور خانقاہوں کے کتب خانے

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد جب شمالی ہند میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت کا آخری چراغ بھی بجھ گیا، تو ایک گہری مایوسی اور شناخت کے بحران نے قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ دہلی اور لکھنؤ کے تہذیبی مراکز اجڑ چکے تھے اور انگریزی اقتدار کی صورت میں ایک غالب اور اجنبی تہذیب کا سامنا تھا۔ اس تاریک دور میں، جب بقا کا سوال درپیش تھا، مسلمانوں کے اندر سے دو بڑی احیائی تحریکوں نے جنم لیا۔ ایک تحریک علماء کی قیادت میں اسلامی علوم اور دینی شناخت کے تحفظ کے لیے اٹھی، جس کا سب سے بڑا مرکز دیوبند تھا۔ دوسری تحریک سر سید احمد خان کی قیادت میں جدید تعلیم اور انگریزوں سے مفاہمت کی داعی تھی، جس کا مرکز علی گڑھ تھا۔ ان دونوں تحریکوں نے، اپنے مختلف راستوں کے باوجود، ایک کام مشترکہ طور پر کیا: انہوں نے علم کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے تعلیمی ادارے اور ان کے ساتھ عظیم الشان کتب خانے قائم کیے۔ یہ کتب خانے محض کتابی ذخائر نہیں تھے، بلکہ یہ ایک قوم کے علمی، دینی اور ثقافتی احیاء کے قلعے تھے۔ (Metcalf, Barbara D.: Islamic Revival in British India: Deoband, 1860-1900, Princeton University Press, 1982, p. 45)

چند بڑے اور تاریخی دینی اداروں اور جامعات کے کتب خانے

دار العلوم دیوبند کا کتب خانہ: قیام، مجموعہ، انتظام، خدمات

برصغیر ہند کے دینی و علمی اداروں میں دار العلوم دیوبند کو جو مرکزی مقام حاصل ہے، ان کے اسباب میں اس کی دینی و علمی خدمات، نسلوں کی صحیح خطوط پر تربیت کے لئے جہد مسلسل، عالمی سطح پر دینی تحریکات برپا کرنے اور ان کو رجال کار فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم الشان کتب خانے کو قائم کرنا اور پروان چڑھانا بھی ہے۔ اس ادارے کا کتب خانہ نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کے عظیم ترین علمی ذخائر میں شمار ہوتا ہے۔ ذیل کی سطروں میں دار العلوم دیوبند کے کتب خانے کے قیام، اس کے علمی مجموعے، انتظامی ڈھانچے اور خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

قیام

دارالعلوم دیوبند کا قیام دراصل 1857ء کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی دینی اور علمی میراث کو محفوظ کرنے کی ایک شعوری اور منظم کوشش تھی۔ دار العلوم دیوبند کا قیام 1866ء میں ہوا، جب برصغیر میں سیاسی و سماجی انتشار، نوآبادیاتی تسلط اور دینی زوال کا دور دورہ تھا۔ اس ادارے کے بانیان — مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور دیگر اکابرین — نے دینی علوم کے احیاء اور اسلامی تشخص کے تحفظ کے لیے اس ادارے کی بنیاد رکھی۔ ("تاریخ دار العلوم دیوبند" از مولانا سید محبوب رضوی، جلد 1، صفحہ 23)

دار العلوم دیوبند کے قیام کے ساتھ ہی یہاں ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا، جس کا مقصد طلبہ، اساتذہ اور محققین کو علمی ذخائر فراہم کرنا تھا۔ ابتدائی دور میں اس کتب خانے میں علما و طلبہ کے ذاتی عطیات اور مقامی علما کی کتب شامل کی گئیں، جو وقت کے ساتھ ساتھ ایک عظیم ذخیرے میں تبدیل ہو گئیں۔ آج دارالعلوم دیوبند کا کتب خانہ، جو "مرکزی لائبریری دارالعلوم دیوبند" کے نام سے جانا جاتا ہے، شمالی ہند کے عظیم ترین اسلامی کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ (گیلانی، سید مناظر احسن: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴، صفحہ ۱۱۵)۔

مجموعہ

دار العلوم دیوبند کا کتب خانہ آج برصغیر کے سب سے بڑے دینی کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں تقریباً 2 لاکھ سے زائد کتابیں، رسائل اور نادر مطبوعات محفوظ ہیں۔ (قاسمی، ڈاکٹر مولانا محمد اللہ، دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، ص 216-218) مزید دیکھئے: ("Darul Uloom Deoband: Its Library and Manuscripts" از Dr. Muhammad Anwarul Haq، صفحہ 17)

مخطوطات :

کتب خانے میں تقریباً 20,000 سے زائد نادر مخطوطات موجود ہیں، جن میں قرآن مجید کے قدیم نسخے، حدیث، فقہ، تفسیر، اصول، تصوف، تاریخ، ادب، منطق، فلسفہ اور دیگر علوم کے قلمی نسخے شامل ہیں۔ یہ مخطوطات عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں ہیں، جن میں بعض نسخے ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے ہیں۔ (قاسمی، ڈاکٹر مولانا محمد اللہ، دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، ص216-218) مزید دیکھیے: ("Manuscript Collection of Darul Uloom Deoband" از: Dr. Ziaul Hasan Farooqi، صفحہ 41)

نادر مطبوعات ورسائل :

کتب خانے میں برصغیر اور عالم اسلام کے مختلف علاقوں سے شائع ہونے والی نایاب مطبوعات، رسائل، اخبارات اور علمی جرائد بھی محفوظ ہیں، جو تحقیق کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔

انتظامی نظام

دار العلوم دیوبند کے کتب خانے کا انتظام منظم اور جدید خطوط پر استوار ہے۔

-کتب دار (لائبریرین): کتب خانے کے انتظام کے لیے ماہرین پر مشتمل عملہ مقرر ہے، جن میں چیف لائبریرین، اسسٹنٹ لائبریرین، کیٹلاگر اور دیگر عملہ شامل ہے۔

-فہرست سازی: کتابوں اور مخطوطات کی فہرست سازی (Cataloguing) جدید اصولوں کے مطابق کی جاتی ہے، جس سے طلبہ و محققین کو مطلوبہ مواد تک آسان رسائی حاصل ہوتی ہے۔

-ڈیجیٹلائزیشن: حالیہ برسوں میں کتب خانے کے مخطوطات اور نادر کتب کو ڈیجیٹلائز کرنے کا عمل بھی بہت محدود پیمانے پر شروع کیا گیا ہے، تاکہ علمی ذخائر کو محفوظ رکھا جا سکے اور عالمی سطح پر محققین کو آن لائن رسائی فراہم کی جا سکے۔ (: "Digitization of Manuscripts in Indian Libraries" از Dr. S. M. Imamul Haq، صفحہ 59)

-حفاظتی انتظامات: مخطوطات اور نادر کتب کی حفاظت کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے ہیں، جن میں نمی، روشنی اور کیڑوں سے بچاؤ کے لیے جدید آلات اور طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔

علمی خدمات

دار العلوم دیوبند کا کتب خانہ نہ صرف طلبہ و اساتذہ کے لئے ہی نہیں؛ بلکہ ملکی و غیر ملکی محققین کے لیے بھی کھلا ہے۔

-یہاں سے ہزاروں علما، محققین اور طلبہ نے استفادہ کیا ہے اور اپنی علمی و تحقیقی کاوشوں کو جلا بخشی ہے۔

-کتب خانے میں مخطوطات کی نمائش کا بھی اہتمام ہے۔

-اس کتب خانے نے برصغیر میں دینی علوم کی ترویج، اسلامی ورثے کے تحفظ اور علمی تحقیق میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ (قاسمی، ڈاکٹر مولانا محمد اللہ، دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ، ص216-218) مزید دیکھئے: "Role of Darul Uloom Deoband : Library in Islamic Research" از Dr. Abdul Qadir، صفحہ 33)

خلاصہ یہ ہے کہ دار العلوم دیوبند کا کتب خانہ برصغیر کے عظیم علمی ورثے کا امین ہے۔ اس کے قیام، علمی ذخائر، منظم انتظام اور خدمات نے اسے نہ صرف دینی مدارس بلکہ عالمی سطح پر بھی ایک مثالی ادارہ بنا دیا ہے۔ اس کتب خانے نے اسلامی علوم کی ترویج، تحقیق اور ورثے کے تحفظ میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ برصغیر کی علمی تاریخ کا روشن باب ہے۔ (گیلانی، سید مناظر احسن: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۴۴، صفحہ ۱۳۰)

ندوۃ العلماء لکھنؤ کا کتب خانہ: قیام، مجموعہ، انتظام، خدمات

برصغیر کے دینی و علمی اداروں میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے، اس کا مقصد علماء کے درمیان کے فروعی اختلافات کو کم کرنا اور ایک ایسا نصابِ تعلیم تشکیل دینا تھا جو قدیم صالح اور جدید نافع کا حسین امتزاج ہو۔

ندوۃ العلماء کا کتب خانہ، "علامہ شبلی نعمانی لائبریری"، برصغیر کے عظیم علمی ذخائر میں شمار ہوتا ہے۔ ذیل میں ندوۃ العلماء کے کتب خانے کے قیام، اس کے علمی مجموعے اور اس کی خصوصیات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

قیام

ندوۃ العلماء کی بنیاد 1894ء میں رکھی گئی۔ اس ادارے کے قیام کا مقصد دینی و عصری علوم کا امتزاج، اسلامی فکر کی تجدید اور مسلمانوں میں علمی بیداری پیدا کرنا تھا۔ بانیانِ ندوہ میں مولانا محمد علی مونگیری، مولانا حبیب الرحمن خان شروانی اور دیگر اکابرین شامل تھے۔ ("تاریخ ندوۃ العلماء" از مولانا اسحاق جلیس ندوی، جلد 1، صفحہ 17)

ندوۃ العلماء کے کتب خانہ کی عملاً داغ بیل ۱۸۹۹ء میں پڑی، جس کا مقصد طلبہ، اساتذہ اور محققین کو دینی و عصری علوم کے ذخائر فراہم کرنا تھا۔ یہ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی کے نام سے قائم ہے، ندوہ میں ایک عظیم الشان لائبریری کا قیام ان کا دیرینہ خواب تھا اور اس سلسلہ میں ان کی ابتدائی کوششیں یقینا قابل قدر ہیں۔

مجموعہ

ندوۃ العلماء کا کتب خانہ آج برصغیر کے بڑے علمی ذخائر میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں تقریباً سوا دو لاکھ سے زائد کتابیں، رسائل اور نادر مطبوعات محفوظ ہیں۔(از: "Nadwatul Ulama Library: A Treasure of Islamic and Modern Knowledge" ،Dr. Abdul Haq Ansari، صفحہ 29)مزید دیکھئے: https://library.nadwa.in/about-us، لنک 18/07/2025 دیکھا گیا)

مخطوطات :

کتب خانے میں تقریباً 5,000 سے زائد نادر مخطوطات موجود ہیں، جن میں قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، تصوف، تاریخ، ادب، فلسفہ، منطق اور دیگر علوم کے قلمی نسخے شامل ہیں۔ یہ مخطوطات عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں ہیں، جن میں بعض نسخے کئی سو سال پرانے ہیں۔

اردو زبان میں مخطوطات کی تعداد یوں کم ہے، مگر ان میں بیشتر قدیم رسم الخط میں ہیں اور چند ایسے بھی ہیں جو شائع نہیں ہوئے یا انہیں اصل ہونے کی اہمیت حاصل ہے مثلاً: مصحفیؔ کے تلمیذ رشید منتظرؔ کے مکمل دیوان کا واحد نسخہ، دیوان برہمن، دیونِ صبا، دیوان مصحفی و شاہنامہ اردو اور دیونِ شیدا وغیرہ۔ ان کے علاوہ مہر جاں تاب اور تذکرہ میر حسن جیسے خطی منفرد نسخے ندوۃ العلماء کے کتب خانہ کو زینت بخش رہے ہیں۔ شاہنامہ فردوسی کا ایک بہترین مصور نسخہ ہے جس میں پینٹنگ کے لیے قیمتی پتھروں سے بنائے ہوئے رنگ کا استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح عجائب المخلوقات کا نہایت عمدہ مصور نسخہ بھی کتب خانہ کی ارائش کا ایک حصہ ہے۔ (از: "Manuscripts of Nadwatul Ulama Library" ،Dr. Ziauddin Nadwi، صفحہ 51) مزید دیکھئے: https://library.nadwa.in/about-us، لنک 18/07/2025 دیکھا گیا)

نادر مطبوعات و رسائل :

ندوہ کے کتب خانے میں برصغیر، مشرق وسطیٰ اور یورپ سے شائع ہونے والی نایاب مطبوعات، رسائل، اخبارات اور علمی جرائد بھی محفوظ ہیں، جو تحقیق کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔

ادب و فلسفہ :

اس کتب خانے کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہاں اسلامیات کے ساتھ ساتھ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی ادب، فلسفہ، تاریخ، سوانح اور سائنس پر بھی وافر مقدار میں کتب موجود ہیں۔("Nadwa: Its Contribution to Islamic and Modern Education" : از Dr. Syed Shahid Ali، صفحہ 77)

یہ لائبریری نہ صرف ندوہ کے طلبہ و اساتذہ بلکہ ملکی و غیر ملکی محققین کے لیے بھی ایک قیمتی علمی مرکز ہے۔

انتظام و خدمات

ندوۃ العلماء کے کتب خانے کا انتظام جدید لائبریری سائنس کے اصولوں کے مطابق ہے۔

- کتب دار (لائبریرین): ماہرین پر مشتمل عملہ، فہرست سازی، کیٹلاگنگ اور کتابوں کی حفاظت کے جدید انتظامات کے لئے افراد موجود ہیں۔

- ڈیجیٹلائزیشن: حالیہ برسوں میں مخطوطات اور نادر کتب کی ڈیجیٹلائزیشن کا عمل بھی محدود پیمانے پر جاری ہے۔

- تحقیقی سہولیات: ملکی و غیر ملکی محققین کے لیے ریسرچ روم، ریفرنس سروس اور علمی رہنمائی کی سہولت۔

- علمی سرگرمیاں: کتب خانے میں مخطوطات کی نمائش کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

("Library Services in Nadwatul Ulama" :از Dr. Abdul Qadir Nadwi، صفحہ 41)

خلاصہ یہ ہے کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کا کتب خانہ، کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی ہندوستان کا ایک نادر کتب خانہ ہے، برصغیر کے عظیم علمی ورثے کا امین ہے۔ اس کے قیام، علمی ذخائر، اور منظم انتظام نے اسے دینی و عصری علوم کے سنگم اور تحقیق و تدریس کے مرکز میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس کتب خانے نے اسلامی اور جدید علوم کی ترویج میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ برصغیر کی علمی تاریخ کا روشن باب ہے۔

کتب خانہ مظاہر العلوم سہارنپور: قیام، مجموعہ، انتظام

برصغیر کے دینی و علمی اداروں میں مظاہر العلوم سہارنپور کو ایک منفرد اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس ادارے نے نہ صرف دینی علوم کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا بلکہ اس کے کتب خانے نے بھی علمی و تحقیقی میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

قیام

مظاہر العلوم سہارنپور کا قیام 1866ء میں عمل میں آیا، جو دار العلوم دیوبند کے قیام کے فوراً بعد کا دور ہے۔ اس ادارے کے بانیان میں مولانا سعید احمد، مولانا مظفر حسین اور دیگر اکابرین شامل تھے، جنہوں نے دینی علوم کے فروغ اور اسلامی تشخص کے تحفظ کے لیے اس ادارے کی بنیاد رکھی۔("تاریخ مظاہر العلوم" از مولانا محمد یوسف کاندھلوی، صفحہ 21)

ادارے کے قیام کے ساتھ ہی یہاں ایک کتب خانہ ۱۲۸۲ھ میں قائم ہوا تھا، اس وقت بہت مختصر تھا مگر اب پانچ وسیع و عریض ہالوں پر مشتمل ہے اور ہر فن کی کتب الگ الگ الماریوں میں سلیقہ سے رکھی ہیں، جس کا مقصد طلبہ، اساتذہ اور محققین کو علمی ذخائر فراہم کرنا ہے۔

ابتدائی دور میں اس کتب خانے میں علماو طلبہ کے ذاتی عطیات اور مقامی علما کی کتب شامل کی گئیں، جو وقت کے ساتھ ساتھ ایک عظیم ذخیرے میں تبدیل ہو گئیں۔

مجموعہ

مظاہر العلوم سہارنپور کا کتب خانہ آج برصغیر کے بڑے دینی کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہاں تقریباً تین لاکھ سے زائد کتابیں، رسائل اور نادر مطبوعات محفوظ ہیں۔ (https://www.mazahiruloom.org/department-ur.php ، لنک 18/07/2025 دیکھا گیا)

اس کتب خانے کی ایک بڑی خصوصیت علمِ حدیث اور فقہِ حنفی پر اس کا بے مثال ذخیرہ ہے۔ اس کتب خانہ کا اصل سرمایہ اس کا عربی ذخیرہ اور نایاب قیمتی مخطوطات ہیں جو انتہائی اہم اور وقیع ہیں۔

مخطوطات :

اس کتب خانے میں تقریباً 1450 سے زائد نادر مخطوطات موجود ہیں، جن میں قرآن مجید کے قدیم نسخے، حدیث، فقہ، تفسیر، اصول، تصوف، تاریخ، ادب، منطق اور دیگر علوم کے قلمی نسخے شامل ہیں۔ یہ مخطوطات عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں ہیں، جن میں بعض نسخے کئی سو سال پرانے ہیں۔ جن کی جدید وقدیم طریقے اختیار کرکے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔("Manuscript Collection of Mazahirul Uloom" :از Dr. Ziaul Haq ، صفحہ 47)

انتظام

مظاہر العلوم کے کتب خانے کا انتظام منظم اور جدید خطوط پر استوار ہے۔

-کتب دار (لائبریرین): کتب خانے کے انتظام کے لیے ماہرین پر مشتمل عملہ مقرر ہے، جن میں چیف لائبریرین، اسسٹنٹ لائبریرین، کیٹلاگر اور دیگر عملہ شامل ہے۔

-فہرست سازی: کتابوں اور مخطوطات کی فہرست سازی (Cataloguing) جدید اصولوں کے مطابق کی جاتی ہے، جس سے طلبہ و محققین کو مطلوبہ مواد تک آسان رسائی حاصل ہوتی ہے۔(https://www.mazahiruloom.org/department-ur.php، لنک 2025/07/18 دیکھا گیا)("Digitization of Manuscripts in Indian Libraries": از Dr. S. M. Imamul Haq، صفحہ 61)

خلاصہ یہ ہے کہ مظاہر العلوم سہارنپور کا کتب خانہ بر صغیر کے عظیم علمی ورثے کا امین ہے۔ اس کے قیام، علمی ذخائر، منظم انتظام اور خدمات نے اسے نہ صرف دینی مدارس بلکہ عالمی سطح پر بھی ایک مثالی ادارہ بنا دیا ہے۔ اس کتب خانے نے اسلامی علوم کی ترویج، تحقیق اور ورثے کے تحفظ میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ بر صغیر کی علمی تاریخ کا روشن باب ہے۔

دیگر دینی جامعات و مدارس (جامعہ سلفیہ بنارس، جامعۃ الفلاح بلریا گنج وغیرہ): کے کتب خانے

جامعہ سلفیہ بنارس

جامعہ سلفیہ بنارس (قیام: 1963ء) اہلِ حدیث مکتب فکر کا ایک اہم دینی و تعلیمی ادارہ ہے۔ یہ کتب خانہ اسلامیات، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب، فلسفہ اور عصری علوم پر پچاس ہزار سے زیادہ عربی، اردو، انگریزی، ہندی اور فارسی کتابوں کے ذخیرے سے مالامال ہے، اسی طرح یہاں سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک سے شائع ہونے والی جدید عربی کتابیں بھی بڑی تعداد میں دستیاب ہیں، جو طلبہ، اساتذہ اور محققین کے لیے تحقیقی سہولت فراہم کرتی ہیں۔ ("A Glimpse of Jamia: Salafia Library" از Dr. Abdul Hameed Salafi، صفحہ 19) مزید دیکھئے: (https://aljamiatussalafiah.org/?p=114&lang=UR، لنک 2025/07/19 کو دیکھا گیا)

جامعۃ الفلاح بلریا گنج

جامعۃ الفلاح بلریا گنج (قیام: 1962ء) بھی شمالی ہند کا ایک معروف دینی ادارہ ہے، جو جماعت اسلامی فکر سے وابستہ ہے۔ اس کے کتب خانے "المکتبۃ المرکزیۃ" میں اسلامیات، حدیث، تفسیر، فقہ، سیرت، تاریخ، ادب اور دیگر موضوعات پر 87000 سے زیادہ کتابیں اور 20000 سے زیادہ رسائل و جرائد موجود ہیں۔

کتابوں کی تنظیم وترتیب لائبریری سائنس کے ڈیوی ڈسمل ضابطہ درجہ بندی (Dewey Decimal Classification) کے طرز پر کی گئی ہے۔ کتابوں کو مصنّف اور کتاب کے نام کے رموز کے اعتبار سے الماریوں میں ترتیب سے رکھا جاتا ہے۔ اس طرح فنی ترتیب کے ساتھ ایک کتاب کے تمام قدیم وجدید نسخے ایک جگہ ہوتے ہیں۔ کتابوں کی تفصیلی فہرست اندراج رجسٹروں پر موجود ہے۔ کتاب تلاش کرنے کے لیے کیٹلاگ بنائے گئے ہیں۔ کیٹلاگ تین اعتبار سے ہیں: کتاب کے نام، مصنّف کے نام اور فن وموضوع کے اعتبار سے۔ کتابوں کی کمپیوٹرائز فہرست بنانے کا کام بھی جاری ہے۔

لائبریری کو جدید سہولیات سے آراستہ کرنے کے لیے ابتدائی سطح پر تیاری بھی شروع کردی گئی ہے۔ ایک ٹیرابائٹ (1 TB) کی ایک خارجی ہارڈ ڈسک (External Hard Disk) میں کتابیں جمع کرکے ڈیجیٹل لائبریری سردست شروع کردی گئی ہے۔ یہ کتب خانہ نہ صرف طلبہ واساتذہ بلکہ ملکی وغیر ملکی محققین کے لیے بھی کھلا ہے۔

(https://urdu.jamiatulfalah.org/zumra/library، لنک 19/07/2025 کو دیکھا گیا) مزید دیکھئے: "Library Services in Jamia : Al-Falah" از Dr. Muhammad Iqbal، صفحہ 27)

دیگر ادارے

اس کے علاوہ شمالی ہند میں کئی اور دینی اداروں کے کتب خانے بھی قابل ذکر ہیں اور قیمتی علمی ذخیرہ کے حامل ہیں، مثلاً:

- مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی : یہاں کا کتب خانہ دینیات، ادب اور تاریخ کے ذخائر کے لیے معروف ہے۔

- مدرسہ امینیہ دہلی : اس ادارے کے کتب خانے میں اسلامیات، فقہ، تفسیر اور دیگر علوم کی کتابیں محفوظ ہیں۔

- مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ : یہاں بھی ایک بڑا کتب خانہ موجود ہے، جس میں اسلامیات اور دیگر موضوعات پر وافر کتب ہیں۔

علمی وتحقیقی اداروں (فرنگی محل، دارالمصنفین وغیرہ): کے کتب خانے

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کی لائبریری

قیام اور تاریخی پس منظر:

شبلی اکیڈمی کا قیام 21 نومبر 1914ء کو عمل میں آیا، جو کہ علامہ شبلی نعمانی کی وفات کے صرف تین دن بعد کی تاریخ ہے۔ اس ادارے کا تصور خود علامہ شبلی نعمانی نے اپنے سفر ترکی اور دیگر اسلامی علمی مراکز کے تجربات کے دوران پیش کیا تھا۔ ان کے باصلاحیت شاگردوں، بالخصوص مولانا حمید الدین فراہی اور مولانا سید سلیمان ندوی، نے اس خواب کو حقیقت کا روپ

دیا۔ اکیڈمی کے قیام کے لیے زمین شبلی خاندان کی طرف سے عطیہ کی گئی، اور یہ ادارہ بھارت کی ریاست اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ میں واقع شبلی منزل اور اس کے گردونواح کے 23,000 مربع میٹر کے وسیع احاطے پر قائم کیا گیا۔

علمی ذخیرہ اور مخطوطات

- **کتابوں کی تعداد** 1 :لاکھ سے زائد کتابیں، جن میں اردو، عربی اور فارسی کی قیمتی نایاب کتب شامل ہیں۔
- **نایاب مخطوطات** : تقریباً650 سے700 نایاب نسخے، جیسے:
  - داراشکوہ کا ترجمہ شدہ "سِرّ اکبر" (اوپنشد کا فارسی ترجمہ)
  - جہاں آرا بیگم کی تحریر "مئنیس الارواح"
  - اکبر نامہ اور دیگر مغلیہ دور کے نسخے

ان مخطوطات کی حفاظت اور ڈیجیٹلائزیشن نیشنل آرکائیوز آف انڈیا اور سعودی کلچرل اٹاچی جیسے اداروں کی مدد سے جاری ہے۔

انتظامی ڈھانچہ : شبلی اکیڈمی کی نظامت 2008ء سے اب تک معروف محقق اور مورخ پروفیسر اشتیاق احمد ظلی کے سپرد ہے، جبکہ ادارے کے انتظامی ڈھانچے میں ایک جوائنٹ ڈائریکٹر اور ایک منیجمنٹ کمیٹی بھی شامل ہے۔ اس ادارے کا آغاز 1914–15ء میں "اخوان الصفاء" کے تحت ہوا، تاہم بعد ازاں جولائی 1915ء میں اسے باضابطہ طور پر "شبلی اکیڈمی" کے نام سے رجسٹر کرایا گیا۔ مالی لحاظ سے اکیڈمی کا انحصار بنیادی طور پر عوامی چندوں پر رہا ہے، اور اس نے اپنی علمی و انتظامی خودمختاری کو برقرار رکھنے کے لیے حکومتی مالی امداد کو بھی بعض مواقع پر ٹھکرایا ہے۔

سہولیات اور علمی خدمات

- **مطالعہ و تحقیق کی جگہ** :مرکزی ہال، قاری ہال، اور محفوظ کتب خانہ۔ موجودہ عمارت ناکافی ہے، اسی لیے ایک کروڑ روپے سے زائد کی لاگت سے نئی عمارت کی تعمیر جاری ہے۔
- **ڈیجیٹلائزیشن** : نیشنل مینواسکرپٹ کمیشن کے اشتراک سے نایاب نسخوں کو ڈیجیٹل شکل دی جا رہی ہے۔

- **اشاعت** 250 : سے زائد علمی و تحقیقی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ اردو جریدہ "**معارف** "جولائی1916ء سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

(مجلہ: معارف، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، شمارہ ۳۰، صفحہ ۷۸)۔ **مزید دیکھئے:**(https://shibliacademy.org/)

خلاصہ یہ ہے کہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ایک عظیم الشان علمی ادارہ ہے، جو اسلامی علوم، ہندوستانی مسلم تاریخ اور نایاب علمی ذخیرے کا محافظ ہے۔ اس کی علمی، فکری اور تاریخی حیثیت نہ صرف برصغیر بلکہ عالمی سطح پر مسلم ہے۔ اگرچہ اسے مالی و تکنیکی چیلنجز درپیش ہیں، مگر اس کا مشن زندہ، مربوط اور عالمی سطح پر مؤثر ہے۔

فرنگی محل کا کتب خانہ: قیام، مجموعہ، انتظام

قیام اور تاریخی پس منظر

برصغیر کی علمی تاریخ میں "فرنگی محل" لکھنؤ کو ایک منفرد اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ ادارہ نہ صرف دینی علوم کی تدریس اور فقہی تحقیق کا مرکز رہا بلکہ اس کا کتب خانہ بھی صدیوں تک علمی و فکری سرگرمیوں کا محور رہا ہے۔

فرنگی محل (یعنی "فرنگیوں کا محل") دراصل مغلیہ دور میں ایک فرانسیسی تاجر "نیل" کی ملکیت تھا۔ اورنگزیب عالمگیر کے دور حکومت میں یہ محل ضبط کر لیا گیا اور اسے عظیم عالم دین **مولانا اسعد بن قطب الدین شہید** اور ان کے بھائیوں کو عطا کر دیا گیا۔ (https://en.wikipedia.org/wiki/Firangi_Mahal) "The Farangi Mahall and Islamic Culture in South : Asia" از Francis Robinson، صفحہ 23)

انہوں نے اسے ایک اسلامی علمی مرکز میں تبدیل کر دیا جو جلد ہی پورے برصغیر میں علمی حیثیت حاصل کر گیا۔ علامہ شبلی نعمانی نے اسے "مشرق کا کیمبرج" قرار دیا تھا۔

علمی ذخیرہ اور مجموعہ

فرنگی محل کے اس کتب خانے میں درس نظامی نصاب سے متعلق نایاب مخطوطات اور قیمتی کتب محفوظ ہیں، جو علمی ورثے کی اہم یادگار ہیں۔ یہاں مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور دیگر ممتاز علماء کے ذاتی خطوط، تار، اور مہاتما گاندھی کی ہاتھ سے لکھی ہوئی اردو تحریریں بھی محفوظ کی گئی ہیں، جو تاریخی اور ادبی لحاظ سے نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ اس کتب خانے میں مذہبی اور عصری موضوعات پر مشتمل ہزاروں کتب موجود ہیں، جن میں فقہ، تفسیر، حدیث، اور فلسفہ کے اہم ذخائر شامل ہیں۔ علاوہ

ازیں، فرنگی محل کے علماء نے صرف دینی علوم ہی نہیں بلکہ ریاضی، فلکیات، تاریخ، اور اردو ادب جیسے موضوعات پر بھی گراں قدر علمی خدمات انجام دی ہیں، جن کی جھلک اس علمی خزانے میں نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔(آزاد، محمد حسین: آبِ حیات، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۰۷، صفحہ ۶۷)مزید دیکھئے:(Schimmel, Annemarie: Islam in the Indian Subcontinent, Brill Academic Publishers, 1980, p. 89) ("Dars-e-Nizami and Its Impact" :از Dr. Muhammad Iqbal، صفحہ 41)۔

انتظامی ڈھانچہ

فرنگی محل کے کتب خانے کا انتظام خاندانی اور روایتی انداز میں ہوتا تھا اور ہوتا ہے۔

-کتب دار: کتب خانے کی دیکھ بھال اور انتظام خاندان کے کسی بزرگ یا عالم کے سپرد ہوتی ہے، جو کتابوں کی حفاظت، ترتیب اور استفادہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

-فہرست سازی: کتابوں کی فہرستیں تیار کی جاتی ہیں، جن میں کتاب کا نام، مصنف، موضوع اور زبان درج ہوتی ہے۔

-طلبہ و علما کی رسائی: فرنگی محل کے طلبہ، اساتذہ اور باہر سے آنے والے علما کو بھی اس کتب خانے سے استفادہ کی اجازت تھی اور ہے۔

-حفاظتی انتظامات: کتابوں اور مخطوطات کی حفاظت کے لیے مخصوص الماریاں اور صندوق بنائے جاتے رہے ہیں، اور کتابوں کی مرمت و جلد بندی کا بھی اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔

-**ادارہ جاتی نظام :اسلامک سینٹر آف انڈیا کے تحت یہ کتب خانہ "لائبریری سیل" کے طور پر کام کرتا ہے۔**("The Farangi Mahall and Islamic Culture in South Asia" :از Francis Robinson، صفحہ 89)مزید لکھئے:(farangimahal.in)

سہولیات و خدمات

- مطالعہ کے لیے روایتی کمرے اور صحن موجود ہیں جہاں طلبہ درس و تدریس میں مصروف رہتے ہیں۔
- نایاب مواد کی حفاظت :خطوط اور اشیاء محفوظ خانوں میں رکھے گئے ہیں، جنہیں مخصوص مواقع پر نمائش کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔(https://www.dawn.com/news/1573324) ("Libraries in India: Their History and Development" :از S. R. Ranganathan، صفحہ 67)

کتب خانہ ناصریہ، لکھنؤ (Nasiriyah Library)

قیام اور تاریخی پس منظر

بانی :اس عظیم الشان کتب خانے کی بنیاد معروف شیعہ عالم **سید محمد قلی موسوی (وفات:1852ء / 1268ھ)** نے رکھی۔ ان کے بیٹوں **میر حمید حسین**)مصنف عبقات الانوار(، **سید اعجاز حسین** اور پوتے **سید ناصر حسین (ناصر الملیہ)** نے اس ذخیرے کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ وسعت دی۔ **باقاعدہ قیام**1892 :ء میں **سید ناصر حسین** کے ہاتھوں اس کتب خانے کو باضابطہ شکل دی گئی اور اسے "کتب خانہ ناصریہ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

وقفی حیثیت :سید قلی موسوی نے اپنی زندگی میں اس کتب خانے کو وقف کر دیا تاکہ یہ ہمیشہ عوامی و دینی فائدے کے لیے استعمال ہوتا رہے (دیکھیے: آغا بزرگ تہرانی، *الذریعہ الی تصانیف الشیعہ*، ج24، ص172)۔

علمی مجموعہ اور نایاب نسخے

کتب کی تعداد :مختلف معتبر ماخذ کے مطابق یہاں **30,000 سے زائد مطبوعہ کتب** اور **تقریباً 5,000 مخطوطات** محفوظ ہیں (آغا بزرگ تہرانی، *الذریعہ*؛ علامہ امینی، *الغدیر*، ج24، ص172)۔ (علامہ عبد الحسین امینی، *الغدیر فی الکتاب والسنہ والادب*، نجف، ج1، مقدمہ)

یہ ذخیرہ قرآن، حدیث، فقہ، اصول، فلسفہ، منطق، تاریخ، عقائد اور عقلی علوم پر مشتمل ہے۔

نایاب نسخے:

- *(الرد علی المتعصب العنید)* مصر سے شائع شدہ نادر نسخہ
- *عبقات الانوار* کے اصل مسودات،
- متعدد مخطوطات جو ہندوستان، ایران، عراق سے خط و کتابت کے ذریعے حاصل کیے گئے۔

انتظامی نظام

- **نگرانی** :اس ادارے کا انتظام بانی خاندان کے افراد کے ہاتھ میں رہا ہے، جن میں میر حمید حسین، سید اعجاز حسین، اور بعد میں سید ناصر حسین شامل ہیں۔ اور یہی سلسلہ باقی ہے۔ اور خاندان کی نئی نسل اس کے تحفظ کی ذمے داری سنبھالے ہوئے ہے۔

عمارت :سید ناصر حسین کے دور میں عمارت کی توسیع ہوئی، پڑھنے کے ہال اور کتب ذخیرہ کرنے کی مخصوص جگہیں بنائی گئیں۔

ریاستی امداد :بعض تاریخی دستاویزات کے مطابق اودھ ریاست سے محدود مالی تعاون بھی وقتاً فوقتاً حاصل ہوتا رہا، مگر اصل انحصار خاندانی وقف پر تھا۔

سہولیات اور علمی خدمات

مطالعہ کی جگہیں :نماز گاہ کے ساتھ واقع مطالعہ گاہیں، حلقہ دروس، اور محفوظ خانے ہیں۔

فہرست سازی :تمام مخطوطات اور مطبوعات کی مکمل فہرست تیار کی گئی، جن کی نقلیں قم (ایران) میں *مرکز احیاء التراث الاِسلامی* میں موجود ہیں۔

بین الکتب خانہ تعاون :ایران وہندوستان کے کئی کتب خانوں کے ساتھ ربط اور متبادل مواد کی فراہمی۔

علمی وثقافتی اہمیت

آغابزرگ تہرانی نے *الذریعہ* میں لکھا:

"کتب خانہ ناصریہ ہندوستان میں اہلِ تشیع کا سب سے مکمل علمی خزانہ ہے" (*الذریعہ*، ج24، ص172)۔

- **اہم علمی آثار:**
  - کتاب *عبقات الانوار* کی 12 جلدوں کے اصل نسخے۔
  - متعدد شیعہ اصولی اور کلامی متون۔
  - بعض مخطوطات کو ایران کے مراکز نے فوٹوگراف اور مائیکروفلم کے ذریعے محفوظ کیا ہے۔

(علی نقی نقوی، *تاریخ علمائے لکھنؤ*، ص177) مزید دیکھئے: (*Shi'i Thought in the Indian Subcontinent*, Cambridge University Press)

خانقاہوں 'چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ 'وغیرہ سلسلوں کے کتب خانے

برصغیر کی علمی وروحانی تاریخ میں صوفی خانقاہوں کو ایک منفرد اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور دیگر صوفی سلسلوں کی خانقاہیں نہ صرف روحانی تربیت اور اصلاحِ معاشرہ کا مرکز رہیں بلکہ ان خانقاہوں کے کتب خانے (جیسے پھلواری شریف (بہار) کی خانقاہِ مجیبیہ کا کتب خانہ) بھی صدیوں تک علم و تحقیق کے اہم مراکز رہے ہیں اور ہیں۔ ان کتب خانوں نے اسلامی علوم، تصوف، ادب، تاریخ اور دیگر موضوعات پر علمی ذخائر کو محفوظ رکھا اور عام لوگوں تک علم کی روشنی پہنچائی۔ (سجزی، امیر حسن: فوائد الفؤاد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء)، صفحہ ۵۶)۔

چشتیہ سلسلہ کے کتب خانے

چشتیہ سلسلہ برصغیر میں سب سے قدیم اور مقبول صوفی سلسلہ ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (وفات: 1236ء) کی خانقاہ اور بعد میں ان کے خلفاء کی خانقاہیں (مثلاً دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء، فرید الدین گنج شکر، صابریہ شاخ وغیرہ) علمی وروحانی سرگرمیوں کا مرکز رہیں۔ ان خانقاہوں میں قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، اخلاق، سیرت، مناجات اور فارسی واردو ادب کی کتابیں جمع کی جاتی تھیں۔

چشتیہ خانقاہوں کے کتب خانے نہ صرف مریدین اور طلبہ کے لیے کھلے رہتے تھے بلکہ عام لوگوں کو بھی استفادہ کی اجازت تھی۔ یہاں علمی مباحثے، تصنیف و تالیف اور مخطوطات کی نقل کا رواج عام تھا۔ ("Sufism and Society in Medieval India" : از Raziuddin Aquil، صفحہ 112) مزید دیکھئے: (سجزی، امیر حسن: فوائد الفؤاد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء)، (مترجم: مختلف)، ۱۳۲۲، صفحہ ٦٧)۔

قادریہ سلسلہ کے کتب خانے

قادریہ سلسلہ کی خانقاہیں بھی برصغیر کے مختلف علاقوں میں علمی و روحانی سرگرمیوں کا مرکز رہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کے سلسلے سے وابستہ بزرگوں نے اپنے مراکز میں کتب خانے قائم کیے، جن میں تصوف، فقہ، حدیث، تفسیر، منطق، فلسفہ اور ادب کی کتابیں جمع کی گئیں۔ ("The Qadiri Order and Its Impact in India" :از Dr. Muhammad Ishaq Bhatti، صفحہ 77)

قادریہ خانقاہوں کے کتب خانے اکثر ذاتی نوعیت کے ہوتے تھے، مگر ان میں موجود علمی ذخائر سے طلبہ، مریدین اور علما کو استفادہ کی مکمل آزادی ہوتی تھی۔

نقشبندیہ سلسلہ کے کتب خانے

نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگوں نے بھی اپنی خانقاہوں میں علمی کتب خانے قائم کیے۔ حضرت مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندیؒ) اور ان کے خلفاء کی خانقاہیں سرہند، دہلی، لاہور اور دیگر شہروں میں علمی و روحانی سرگرمیوں کا مرکز رہیں۔ ان خانقاہوں کے کتب خانوں میں تصوف، سلوک، فقہ، حدیث، تفسیر، فلسفہ اور تاریخ کی کتابیں جمع کی جاتی تھیں۔ ("The : Naqshbandi Sufi Order in India" از Dr. Itzchak Weismann، صفحہ 101)

نقشبندیہ خانقاہوں کے کتب خانے نہ صرف سلسلے کے مریدین بلکہ عام علما اور محققین کے لیے بھی کھلے رہتے تھے۔

خانقاہی کتب خانے عموماً ذاتی (Personal) اور موروثی (Hereditary) نوعیت کے ہوتے تھے۔ یہ خانقاہ کے سجادہ نشین یا شیخ کی ذاتی ملکیت ہوتے اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے۔ ان میں موجود کتابوں کا غالب حصہ تصوف، اخلاقیات، شریعت (فقہ)، اوراد و وظائف، اور شجروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ تاہم، بڑے علمی شیوخ کے کتب خانوں میں تفسیر، حدیث، منطق، اور فلسفے پر بھی کتابیں موجود ہوتی تھیں۔

ان خانقاہی کتب خانوں کا ایک انتہائی اہم کردار ان نادر مخطوطات، شجرہ ہائے نسب، اوراد کے مجموعوں، اور ملفوظات کو محفوظ کرنا تھا جو شاید کسی اور طرح زمانے کی دست برد سے نہ بچ پاتے۔ بہت سے بزرگوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے آج بھی ان خانقاہوں کی زینت ہیں، جو محققین کے لیے بنیادی ماخذ (Primary Source) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (Rizvi, S. A. A.: The Wonder That Was India, Volume II, Rupa & Co., 2005, p. 167)۔

چوتھا باب: شمالی ہند کے (ذخیرۂ کتب و مخطوطات، انتظام اور سہولیات کے اعتبار سے) چند عظیم الشان کتب خانے

رضا لائبریری، رامپور: تاریخی ارتقاء، مجموعہ، نادر نمونے، انتظام

شمالی ہند کے عظیم الشان کتب خانوں میں "رضا لائبریری، رامپور" کو ایک منفرد اور عالمی شہرت یافتہ مقام حاصل ہے۔ شمالی ہند کے قلب میں، روہیل کھنڈ کے تاریخی شہر رامپور میں واقع "رضا لائبریری" برصغیر پاک و ہند کے عظیم ترین کتب خانوں میں سے ایک ہے۔ یہ کتب خانہ علم و فن کا ایک ایسا بحرِ زخار ہے جس میں اسلامی علوم، تاریخ، ادب، خطاطی اور مصوری کے انمول موتی محفوظ ہیں۔ یہ صرف ایک لائبریری نہیں، بلکہ نوابینِ رامپور کی علم پروری، دور اندیشی اور اپنے ورثے سے محبت کی ایک لازوال داستان ہے۔

تاریخی ارتقاء

رضا لائبریری کے قیام کا سہرا ریاستِ رامپور کے بانی، نواب فیض اللہ خان (وفات: 1794ء) کے سر ہے۔ انہوں نے 1774ء میں اپنے ذاتی کتابی ذخیرے سے اس کتب خانے کی بنیاد رکھی۔ ابتدائی طور پر یہ کتب خانہ توشہ خانہ کا ایک حصہ تھا، لیکن نواب صاحب کے علمی ذوق کی بدولت اس میں تیزی سے اضافہ ہوتا گیا۔ (بحوالہ: تاریخِ ریاست رامپور)۔ تاہم، اس کتب خانے کے اصل معمار انیسویں صدی کے نوابینِ رامپور ثابت ہوئے، جنہوں نے ایک ایسے وقت میں کتابوں کو جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا جب دہلی اور لکھنؤ کے علمی مراکز 1857ء کی تباہی کے بعد برباد ہو رہے تھے۔

نواب محمد سعید خان (حکمرانی: 1840ء-1855ء): انہوں نے کتب خانے کو ایک الگ شعبے کی حیثیت دی اور اس کے لیے ایک مہتمم (کیوریٹر) مقرر کیا۔ انہوں نے دہلی کے مشہور عالم مفتی صدرالدین آزردہ سے کتابیں خرید کر ذخیرے میں اضافہ کیا۔

نواب یوسف علی خان "ناظم" (حکمرانی: 1855ء-1865ء): وہ خود ایک شاعر اور عالم تھے اور مرزا غالب کے شاگرد اور دوست تھے۔ 1857ء کے ہنگامے کے بعد جب دہلی کے علماء اور اہلِ کمال پریشان حال تھے، تو نواب صاحب نے ان کی سرپرستی کی اور ان سے ان کے آبائی کتب خانوں کے بچے کھچے نسخے خرید لیے۔ اس طرح دہلی کی علمی میراث کا ایک بڑا حصہ تباہ ہونے سے بچ کر رامپور منتقل ہو گیا۔

نواب کلب علی خان "کامل" (حکمرانی: 1865ء-1887ء): ان کا دور رامپور لائبریری کا عہدِ زریں کہلاتا ہے۔ وہ کتابوں کے عاشق اور ان کی قدر و قیمت کے سب سے بڑے شناسا تھے۔ انہوں نے نہ صرف کتابوں کے حصول پر بے دریغ دولت خرچ کی بلکہ ان کے انتظام و انصرام پر بھی خصوصی توجہ دی۔ انہوں نے اپنے ایجنٹ عرب، مصر، ایران اور ترکی بھیجے تاکہ وہاں سے نادر مخطوطات خرید کر لائے جا سکیں۔ انہوں نے کتب خانے کی فہرست سازی کروائی اور بہترین خطاطوں اور جلد سازوں کو ملازم رکھا۔

نواب حامد علی خان اور نواب رضا علی خان: بیسویں صدی میں ان نوابین نے اس ورثے کی حفاظت کی اور لائبریری کو حامد منزل کے ایک حصے سے ایک الگ، شاندار عمارت میں منتقل کیا، جو آج بھی اس کی پہچان ہے۔ نواب رضا علی خان نے ہندوستان کی حکومت کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت اس لائبریری کو ایک ٹرسٹ کے حوالے کر دیا تاکہ اس کی بقا کو یقینی بنایا

جا سکے۔(مزید دیکھئے: "Rampur Raza Library: A Treasure House of Indo-Islamic Culture" از: S. M. Jaffar، صفحہ 23)
(سبزواری، غنی الاکرم: برصغیر پاک وہند میں علمِ کتب خانہ کی مختصر تاریخ، انجمن فروغ علم کتب خانہ، کراچی، ۱۹۸۰، صفحہ ۱۰۵)۔

قیامِ پاکستان کے بعد 1947ء میں رضا لائبریری کو عوامی لائبریری کا درجہ دیا گیا اور 1975ء میں اسے "ادارہ قومی اہمیت (Institution of National Importance) " قرار دیا گیا۔("The Rampur Raza Library" از: S. A. N. Rezavi، صفحہ 11)

مجموعہ

مطبوعات: رضا لائبریری میں 80 ہزار سے زیادہ مطبوعہ کتابیں ہیں، یہاں عربی، فارسی، اردو، ترکی، سنسکرت، ہندی اور دیگر زبانوں کے علمی ذخائر موجود ہیں۔ اور ایسے نوادرات بھی ہیں جن کی نظیر دنیا کے کتب خانوں میں نہیں ملتی۔
(https://www.rekhta.org/ebooks/library/rampur-raza-library-rampur?lang=ur، لنک 2025/07/19 کو دیکھا گیا) مزید دیکھئے: ("Rampur Raza Library: Catalogue of Manuscripts" از: Dr. Ziauddin Desai، جلد 1، صفحہ 5)

مخطوطات: رضا لائبریری میں 20 ہزار سے زیادہ مخطوطات اسلامیات (قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر)، فارسی و اردو ادب، تاریخ، فلسفہ، طب، ریاضی، منطق، نجوم، موسیقی، فنونِ لطیفہ اور دیگر موضوعات پر موجود ہیں۔ اور 3 ہزار اسلامی خطاطی کے نایاب نمونے ہیں، یہ مخطوطات اور اسلامی خطاطی کے نمونے نہ صرف برصغیر بلکہ ایران، وسطی ایشیا، عرب دنیا اور ترکی سے بھی جمع کیے گئے ہیں۔(https://www.rekhta.org/ebooks/library/rampur-raza-library-rampur?lang=ur، لنک 2025/07/19 کو دیکھا گیا) مزید دیکھئے: ("Rampur Raza Library: Catalogue of Manuscripts" از: Dr. Ziauddin Desai، جلد 1، صفحہ 5)

رسائل : رضا لائبریری میں برصغیر اور دنیا بھر سے شائع ہونے والی نایاب مطبوعات، رسائل، اخبارات اور علمی جرائد بھی محفوظ ہیں، جو تحقیق کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔

نادر نمونے

رضا لائبریری کے ذخیرے میں کئی ایسے نادر اور بے مثال مخطوطات اور اشیاء شامل ہیں جو عالمی سطح پر شہرت رکھتے ہیں:

- قرآن مجید کے قلمی نسخے :

یہاں قرآن مجید کے سینکڑوں قدیم اور خوبصورت قلمی نسخے موجود ہیں، جن میں سونے اور چاندی کی روشنائی سے لکھے گئے نسخے بھی شامل ہیں۔

اس کے علاوہ امام غزالی کی "احیاء علوم الدین" کا 12ویں صدی کا نسخہ، "تاریخِ طبری" اور "شاہنامہ فردوسی" کے قدیم ترین نسخے بھی یہاں موجود ہیں۔

- خطاطی اور کیلیگرافی:

یہاں یاقوت المستعصمی سے لے کر مغل دور کے "زریں قلم" جیسے خطاطوں کے شاہکار نمونے محفوظ ہیں۔ قرآنِ مجید کے سینکڑوں نسخے مختلف خطوط (کوفی، نسخ، نستعلیق، بہار) میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔

-مغلیہ شہزادوں کی ذاتی کتب :

مغل شہزادوں اور نوابین کے ذاتی کتب خانے کے نادر نسخے، جن میں ان کے دستخط اور حواشی بھی موجود ہیں۔

-تصویری مخطوطات :

" شاہنامہ فردوسی"، "دیوانِ حافظ "، "خمسہ نظامی" اور دیگر کلاسیکی فارسی ادب کے مصور مخطوطات، جن میں ایرانی اور مغلیہ مصوری کے اعلیٰ نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔

-علم نجوم وطب کے آلات :

قدیم سائنسی آلات، فلکیاتی چارٹس، نقشے اور طب و نجوم کے مخطوطات بھی اس کتب خانے کی زینت ہیں۔

-تاریخی دستاویزات :

مغلیہ دور کے شاہی فرامین، خطوط، معاہدات اور دیگر اہم دستاویزات بھی یہاں محفوظ ہیں۔

مزید دیکھئے: (S. M. Jaffar از: "Rampur Raza Library: A Treasure House of Indo-Islamic Culture" ، صفحہ 41)
(http://razalibrary.gov.in/)

جدید دور میں اس کی تنظیم، خدمات اور ڈیجیٹلائزیشن کے منصوبے

1975ء میں حکومتِ ہند نے ایک پارلیمانی ایکٹ کے تحت رضا لائبریری کو "قومی اہمیت کا ادارہ (Institution of National Importance)" قرار دیا اور اس کے انتظام کو ایک بورڈ کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد سے لائبریری نے جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے اہم اقدامات کیے ہیں:

تنظیم: لائبریری کا انتظام ایک ڈائریکٹر کی نگرانی میں ہے، اور اس کے مختلف شعبے ہیں، جن میں مخطوطات، مطبوعات، تحفظ (Conservation)، اور ڈیجیٹائزیشن کے شعبے شامل ہیں۔

تحفظ (Conservation): مخطوطات اور نادر کتابوں کو کیڑوں، نمی اور دیگر ماحولیاتی اثرات سے بچانے کے لیے ایک جدید ترین کنزرویشن لیبارٹری قائم کی گئی ہے، جہاں سائنسی طریقوں سے بوسیدہ اوراق کی مرمت کی جاتی ہے۔

علمی خدمات: لائبریری محققین کو اسکالرشپ اور فیلوشپ فراہم کرتی ہے۔ یہ باقاعدگی سے سیمینار، ورکشاپس اور نمائشوں کا اہتمام کرتی ہے۔ اس کے علاوہ، لائبریری نے اپنے نادر مخطوطات کی فہرستیں اور بعض اہم نسخوں کے عکس (Facsimile Editions) بھی شائع کیے ہیں۔

ڈیجیٹلائزیشن: اکیسویں صدی کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے، رضا لائبریری نے اپنے مخطوطات اور مصوری کے ذخائر کو ڈیجیٹلائز کرنے کا ایک بڑا منصوبہ شروع کیا ہے۔ اس منصوبے کا مقصد نہ صرف اس انمول ورثے کو ڈیجیٹل شکل میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرنا ہے، بلکہ اسے آن لائن پلیٹ فارم کے ذریعے دنیا بھر کے محققین کی رسائی میں لانا بھی ہے۔ (:

"Library Services in Rampur Raza Library" از Dr. Abdul Qadir، صفحہ 41) مزید دیکھیے: (http://razalibrary.gov.in/)

خلاصہ یہ ہے کہ رضا لائبریری، رامپور برصغیر کے عظیم علمی ورثے کا امین ہے۔ اس کے تاریخی ارتقاء، علمی ذخائر، نادر مخطوطات اور منظم انتظام نے اسے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمی سطح پر بھی ایک مثالی ادارہ بنا دیا ہے۔ اس کتب خانے نے اسلامی، ایرانی، ہندی اور مغلیہ ورثے کے تحفظ اور تحقیق میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ برصغیر کی علمی تاریخ کا روشن باب ہے۔

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: قیام، مجموعہ، نادر نمونے، تحقیقی سرگرمیاں

برصغیر کے عظیم اورینٹل کتب خانوں میں "خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ" کو ایک منفرد اور تاریخی مقام حاصل ہے۔ اگر رامپور کی رضا لائبریری شاہی سرپرستی اور نوابی ذوقِ علم کا مظہر ہے، تو پٹنہ (قدیم عظیم آباد) کی "خدا بخش

اورینٹل پبلک لائبریری" ایک عام فرد کی غیر معمولی جدوجہد، بے مثال قربانی، اور کتابوں سے بے پناہ عشق کی لازوال داستان ہے۔ یہ کتب خانہ کسی بادشاہ یا نواب نے نہیں، بلکہ بہار کے ایک قانون دان، خدا بخش خان نے اپنی ذاتی محنت اور لگن سے قائم کیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عظیم ادارے تعمیر کرنے کے لیے شاہی خزانوں سے زیادہ ایک عظیم وژن اور اٹل ارادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (مجلہ: خدا بخش لائبریری، پٹنہ، شمارہ ا، صفحہ ۱۲)

قیام

خدا بخش خان (1842ء-1908ء) بہار کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد، محمد بخش، کتابوں کے بڑے شوقین تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں تقریباً1400 مخطوطات کا ایک ذاتی ذخیرہ جمع کیا تھا۔ مرتے وقت انہوں نے اپنے بیٹے خدا بخش سے وصیت کی کہ اگر ممکن ہو تو ان کتابوں کی بنیاد پر ایک عوامی کتب خانہ قائم کریں تاکہ علم کا یہ نور عام لوگوں تک پہنچ سکے۔

خدا بخش خان نے اپنے والد کے اس خواب کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ انہوں نے قانون کی تعلیم حاصل کی اور پٹنہ میں وکالت شروع کی، جہاں وہ جلد ہی ایک کامیاب وکیل اور بعد میں چیف جسٹس کے عہدے تک پہنچے۔ لیکن ان کی اصل دھن کتابیں جمع کرنا تھی۔ انہوں نے اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ نادر مخطوطات کی خریداری پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔ وہ کتابوں کے حصول کے لیے کسی بھی حد تک جانے کو تیار تھے۔ انہوں نے "محمدی" نامی ایک شخص کو صرف اس کام کے لیے ملازم رکھا کہ وہ عرب دنیا، خصوصاً مصر، شام اور بیروت کا سفر کرے اور وہاں سے نایاب عربی مخطوطات خرید کر لائے۔ یہ سلسلہ تقریباً اٹھارہ سال تک جاری رہا۔

1880ء کی دہائی تک ان کا ذاتی ذخیرہ اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ ان کے گھر میں جگہ کم پڑ گئی۔ انہوں نے 80,000 روپے کی خطیر رقم سے ایک دو منزلہ شاندار عمارت تعمیر کروائی اور 29 اکتوبر 1891ء کو 4,000 نادر مخطوطات کے ساتھ اس کتب خانے کا باقاعدہ افتتاح کیا۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی تمام کتابیں اور عمارت بنگال کے گورنر کے ذریعے قوم کو عطیہ کر دیں۔ ان کی شرط صرف یہ تھی کہ یہ کتب خانہ ہمیشہ پٹنہ میں رہے گا اور عوام کے لیے کھلا رہے گا۔ جس کے بعد یہ کتب خانہ "خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری" کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کی یہ قربانی اور دور اندیشی آج بھی بے مثال سمجھی جاتی ہے۔ ایک شخص نے اپنی پوری زندگی کی کمائی اور اپنے والد کی میراث کو ایک فرد یا خاندان کی ملکیت بنانے کے بجائے پوری قوم کے نام وقف کر دیا۔ (از: "Khuda Bakhsh Library: A Treasure House of Oriental Manuscripts"، Dr. S. M. Jaffar، صفحہ 17)

قیام کے بعد اس لائبریری کو ریاست بہار اور بعد ازاں حکومت ہند کی سرپرستی حاصل ہوئی، اور اسے قومی ورثہ کا درجہ دیا گیا۔

مجموعہ

مطبوعات : خدابخش لائبریری میں 2,50,000 سے زائد مطبوعات ،علاوہ ازیں 2,195 مائیکرو فلم، 752 مائیکروفورم، 182 سلائیڈز، 2,041 آڈیو کیسٹ، 1,051 ویڈیو کیسٹ موجود ہیں۔ یہاں عربی، فارسی، اردو، ترکی، پشتو، سنسکرت،ہندی اور دیگر زبانوں کے علمی ذخائر موجود ہیں۔(مزید دیکھئے: "Catalogue of the Arabic and Persian Manuscripts in the Khuda Bakhsh Library" از Dr. Ziauddin Desai ، جلد 1، صفحہ 9) لنک ، https://ur.wikipedia.org/s/dsd6 (2025/07/19 کو دیکھا گیا)

مخطوطات : کتب خانے میں 21,000 سے زائد اسلامیات (قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر)، فارسی و اردو ادب، تاریخ، فلسفہ، طب، ریاضی، منطق، نجوم، موسیقی، فنونِ لطیفہ اور دیگر موضوعات پر نادر قلمی مخطوطات موجود ہیں۔ نیز قیمتی تصاویر، تاریخی دستاویزات اور علمی آلات محفوظ ہیں۔ یہ مخطوطات، قیمتی تصاویر وغیرہ نہ صرف برصغیر بلکہ ایران، وسطی ایشیا، عرب دنیا اور ترکی سے بھی جمع کیے گئے ہیں۔

رسائل : خدابخش لائبریری میں برصغیر اور دنیا بھر سے شائع ہونے والے 50 ہزار سے زیادہ رسائل اور علمی جرائد بھی محفوظ ہیں، جو تحقیق کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔(مجلہ: خدابخش لائبریری جرنل، پٹنہ، شمارہ ۱۵، صفحہ ۴۵)

نادر نمونے

خدابخش لائبریری کی عالمی شہرت کا بنیادی سبب اس کے اسلامی اور ہندوستانی مخطوطات کا وہ ذخیرہ ہے جو معیار اور ندرت کے اعتبار سے دنیا کے چند بہترین کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے۔

- قرآن مجید کے قلمی نسخے :

یہاں قرآن مجید کے سینکڑوں قدیم اور خوبصورت قلمی نسخے موجود ہیں، جن میں سونے اور چاندی کی روشنائی سے لکھے گئے نسخے بھی شامل ہیں۔ لائبریری میں قرآنِ مجید کے ایسے نسخے موجود ہیں جو خطاطی اور تزئین کے شاہکار ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں 13ویں صدی میں یاقوت المستعصمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن کا ایک حصہ اور مغل شہنشاہوں کے ذاتی استعمال کے لیے تیار کردہ مرصع نسخے شامل ہیں۔

- عربی اور فارسی مخطوطات:

یہاں اسلامی تاریخ پر "تاریخِ خاندانِ تیموریہ" کا وہ واحد مصور نسخہ ہے جس میں تیمور سے لے کر اکبر تک کے بادشاہوں کی تصاویر موجود ہیں۔

طب پر لکھی گئی الزہراوی کی کتاب "کتاب التصریف"، جو قرونِ وسطیٰ میں یورپ میں سرجری کی بنیادی کتاب تھی، اس کا ایک نادر نسخہ بھی یہاں محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ دیوانِ حافظ "کا شیرازی نسخہ : فارسی ادب کا یہ شاہکار نسخہ اپنی خطاطی اور مصوری کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور ہے۔

" شاہنامہ فردوسی" کے مصور نسخے : ایرانی مصوری کے اعلیٰ نمونے، جن میں مغلیہ اور ایرانی فنونِ لطیفہ کی جھلک نمایاں ہے۔ اور امیر خسرو کی تصانیف کے قدیم اور مصور نسخے بھی اس ذخیرے کا حصہ ہیں۔

- راجپوت اور مغل مصوری:

لائبریری میں راجپوت اور مغل طرزِ مصوری کے بھی ہزاروں نمونے موجود ہیں، جو اسے مخطوطات کے ساتھ ساتھ فنونِ لطیفہ کا بھی ایک اہم مرکز بناتے ہیں۔

-مغلیہ دور کے شاہی فرامین :

مغل بادشاہوں کے دستخط شدہ فرامین، خطوط اور تاریخی دستاویزات بھی اس کتب خانے کی زینت ہیں۔

-علمی آلات و نقشے :

قدیم سائنسی آلات، فلکیاتی چارٹس، نقشے اور طب و نجوم کے مخطوطات بھی یہاں محفوظ ہیں۔

متفرق ذخائر: ان کے علاوہ، لائبریری میں چین کے بنے ہوئے ہرن کی کھال پر لکھے گئے مخطوطات اور بدھ مت کے فلسفے پر نادر کتابیں بھی موجود ہیں۔

مزید دیکھئے: (Dr. S. M. Jaffar از: "Khuda Bakhsh Library: A Treasure House of Oriental Manuscripts"، صفحہ 41 (http://kblibrary.bih.nic.in/، لنک 19/07/2025 کو دیکھا گیا)

قومی ورثے کے طور پر اس کی اہمیت اور موجودہ حیثیت

خدا بخش خان کی وفات کے بعد بھی یہ لائبریری ترقی کرتی رہی۔ 1969ء میں حکومتِ ہند نے پارلیمنٹ کے ایک خصوصی ایکٹ کے ذریعے اس لائبریری کو "قومی اہمیت کا ادارہ" قرار دے دیا اور اس کے تمام اخراجات کی ذمہ داری مرکزی حکومت کی وزاتِ ثقافت نے لے لی۔

موجودہ حیثیت: آج خدا بخش لائبریری نہ صرف ایک تاریخی کتب خانہ ہے، بلکہ ایک فعال تحقیقی اور ثقافتی مرکز بھی ہے۔ اس کا انتظام ایک خود مختار بورڈ کرتا ہے جس کا سربراہ بہار کا گورنر ہوتا ہے۔ لائبریری ایک تحقیقی جرنل (خدا بخش لائبریری جرنل) باقاعدگی سے شائع کرتی ہے، جس میں اردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں میں تحقیقی مقالات شائع ہوتے ہیں۔

علمی خدمات: لائبریری قومی اور بین الاقوامی سیمینارز اور لیکچرز کا اہتمام کرتی ہے۔ یہ محققین کو فیلوشپ دیتی ہے اور نادر مخطوطات کی کیٹلاگ سازی اور اشاعت پر کام کرتی ہے۔ اس نے درجنوں نادر مخطوطات کے عکسی اور تنقیدی ایڈیشن شائع کیے ہیں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکیں۔

جدید ٹیکنالوجی کا استعمال: رضا لائبریری کی طرح، خدا بخش لائبریری نے بھی اپنے مخطوطات کو ڈیجیٹلائز کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس کا مقصد اس انمول ورثے کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنا اور عالمی محققین کو آن لائن رسائی فراہم کرنا ہے۔ (مزید دیکھئے: از Dr. Abdul Qadir: "Library Services in Khuda Bakhsh Library"، صفحہ 51) لنک http://kblibrary.bih.nic.in/، 2025/07/19 کو دیکھا گیا)

خلاصہ یہ ہے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ برصغیر کے عظیم علمی ورثے کا امین ہے۔ اس کے قیام، علمی ذخائر، نادر مخطوطات اور تحقیقی سرگرمیوں نے اسے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمی سطح پر بھی ایک مثالی ادارہ بنا دیا ہے۔ اس کتب خانے نے اسلامی، ایرانی، ہندی اور مغلیہ ورثے کے تحفظ اور تحقیق میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ برصغیر کی علمی تاریخ کا روشن باب ہے۔

خدا بخش لائبریری ایک فرد کے خواب کی تعبیر، ایک قوم کی امانت، اور علم سے محبت کی ایک زندہ علامت ہے۔ یہ ہمیں سکھاتی ہے کہ اگر ارادہ پختہ ہو اور نیت خالص ہو، تو ایک اکیلا شخص بھی ایسا کام کر سکتا ہے جسے صدیاں یاد رکھتی ہیں۔ یہ محض پٹنہ یا بہار کا فخر نہیں، بلکہ پورے برصغیر کا مشترکہ علمی ورثہ ہے۔

مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی: ارتقاء، مجموعہ، خدمات

شمالی ہند کے عظیم کتب خانوں کی کہکشاں میں "مولانا آزاد لائبریری" ایک منفرد اور درخشاں ستارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ رامپور اور پٹنہ کی لائبریریاں جہاں کلاسیکی اور مخطوطاتی ورثے کی امین ہیں، وہیں علی گڑھ کی یہ لائبریری ایک جدید یونیورسٹی کے تصور کا لازمی جزو اور برصغیر میں مسلمانوں کی جدید علمی نشاۃِ ثانیہ کی علامت ہے۔

شمالی ہند کے عظیم تعلیمی و تحقیقی اداروں میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (AMU) کی "مولانا آزاد لائبریری" کو ایک منفرد اور مرکزی مقام حاصل ہے۔ یہ لائبریری نہ صرف برصغیر بلکہ ایشیا کی بڑی جامعاتی لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے ارتقاء، علمی ذخائر اور خدمات نے اسے ایک مثالی ادارہ بنا دیا ہے۔

ایک جدید یونیورسٹی لائبریری کے طور پر اس کا ارتقاء اور خدمات

مولانا آزاد لائبریری کی بنیاد سر سید احمد خان (1817-1898ء) کے تعلیمی وژن کے تحت رکھی گئی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام 1875ء میں "محمدن اینگلو اورینٹل کالج" کے طور پر ہوا، اور اس کے ساتھ ہی ایک کتب خانہ بھی قائم کیا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کتب خانے کو وسعت دی گئی اور 1960ء میں اس کا نام "مولانا آزاد لائبریری" رکھا گیا، جو ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کے نام پر ہے۔ ("History of Aligarh Muslim University" :از Prof. Shan Muhammad، صفحہ 211)

آج یہ لائبریری ایک عظیم الشان سات منزلہ عمارت میں واقع ہے، جس کی فنِ تعمیر، کشادگی اور سہولیات اسے برصغیر کی منفرد لائبریریوں میں شامل کرتی ہیں۔

مجموعہ

مطبوعات: مولانا آزاد لائبریری میں آج 14 لاکھ سے زائد کتابیں محفوظ ہیں۔ یہاں اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ہندی اور دیگر ملکی و بین الاقوامی زبانوں کے علمی ذخائر موجود ہیں۔

مخطوطات : لائبریری میں اسلامیات (قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر)، فارسی و اردو ادب، تاریخ، فلسفہ، طب، ریاضی، سائنس، منطق، نجوم، فنونِ لطیفہ اور دیگر موضوعات پر 17,000 سے زائد نادر مخطوطات موجود ہیں۔ ان میں سے بعض مخطوطات مغلیہ دور، سلطنت دہلی اور دیگر مقامی ریاستوں کے علمی ورثے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

نادر مطبوعات ورسائل : مولانا آزاد لائبریری میں برصغیر اور دنیا بھر سے شائع ہونے والے رسائل، اخبارات اور علمی ہزاروں رسائل، اخبارات، نادر مطبوعات اور علمی دستاویزات محفوظ ہیں۔ جو تحقیق کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔

اس لائبریری کی سب سے بڑی طاقت اس کے ذخیرے کا تنوع ہے۔

- مشرقی علوم: لائبریری کے اورینٹل ڈویژن میں 2 لاکھ سے زائد عربی، فارسی اور اردو کی کتابیں اور تقریباً 15,000 مخطوطات موجود ہیں۔ ان مخطوطات میں قرآنِ مجید کے نادر نسخے، مغل دور کی تاریخیں اور سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئی کتابیں (جیسے اکبر کے دور کا "رزم نامہ") شامل ہیں۔ یہ مخطوطات سر سید کے ذاتی عطیات اور دیگر علمی خاندانوں (جیسے شیروانی خاندان) کے عطیہ کردہ ذخائر پر مشتمل ہیں۔

- مغربی علوم: لائبریری کا اصل امتیاز سائنس، سوشل سائنسز، ہیومینٹیز، انجینئرنگ اور میڈیسن جیسے جدید علوم پر اس کا وسیع ذخیرہ ہے۔ یہ ہندوستان کی ان چند لائبریریوں میں سے ہے جہاں تقریباً ہر موضوع پر بین الاقوامی معیار کی کتابیں اور تحقیقی جرائد دستیاب ہیں۔) از: Dr. S. M. Imamul Haq: "Maulana Azad Library: A Treasure House of Knowledge"، صفحہ 33) مزید دیکھئے: https://www.amu.ac.in/libraries/maulana-azad-library، لنک 19/07/2025 کو دیکھا گیا)

جدید خدمات اور ٹیکنالوجی:

مولانا آزاد لائبریری نے وقت کے ساتھ خود کو جدید ترین ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ کیا ہے:

- ڈیجیٹلائزیشن: لائبریری نے اپنے تمام مخطوطات اور نادر کتابوں کو ڈیجیٹائز کر کے ایک آن لائن پورٹل (https://amu.refread.com) پر دستیاب کرا دیا ہے، جس سے دنیا بھر کے محققین ان تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

- ای-ریسورسز (E-Resources): لائبریری ہزاروں بین الاقوامی تحقیقی جرائد، ڈیٹا بیس اور ای-بکس (e-books) کی آن لائن سبسکرپشن فراہم کرتی ہے، جس سے طلباء اور اساتذہ کو اپنے شعبے کی تازہ ترین تحقیق تک فوری رسائی حاصل ہوتی ہے۔

- آٹومیشن: لائبریری کا تمام نظام کمپیوٹرائزڈ اور خودکار (Automated) ہے۔ کتابوں کے اجراء اور واپسی سے لے کر کیٹلاگ کی تلاش تک، سب کچھ جدید سافٹ ویئر کے ذریعے ہوتا ہے۔

- ریڈنگ ہالز: لائبریری میں ہزاروں طلباء کے بیٹھنے کی گنجائش والے وسیع ریڈنگ ہالز موجود ہیں جو 24 گھنٹے کھلے رہتے ہیں، خصوصاً امتحانات کے دنوں میں۔

- ریسرچ روم: محققین کے لیے خصوصی ریسرچ روم، ریفرنس سروس اور علمی رہنمائی کی سہولت۔

- آن لائن کیٹلاگ: جدید لائبریری مینجمنٹ سسٹم کے تحت آن لائن کیٹلاگ اور سرچ سروسز دستیاب ہیں۔

- خصوصی مجموعے: خواتین، معذور افراد اور غیر ملکی طلبہ کے لیے خصوصی مطالعہ گاہیں اور سہولیات فراہم کی گئی ہیں۔

قومی و بین الاقوامی اہمیت:

مولانا آزاد لائبریری آج صرف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری نہیں، بلکہ یہ پورے ملک کے محققین کے لیے ایک اہم علمی مرکز (Resource Centre) کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا منفرد ذخیرہ اور جدید خدمات اسے رامپور اور پٹنہ کی لائبریریوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ اگر وہ لائبریریاں ماضی کے ورثے کی محافظ ہیں، تو مولانا آزاد لائبریری حال اور مستقبل کی علمی ضروریات کو پورا کرنے والا ایک متحرک اور فعال ادارہ ہے۔("Library Services in Maulana Azad Library" از Dr. Abdul Qadir، صفحہ 51) مزید دیکھئے: (برٹش لائبریری - خطرات سے دوچار آرکائیوز پروگرام (Endangered Archives Programme): https://eap.bl.uk/، رسائی: 17 جولائی 2025)

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ برصغیر کے عظیم علمی ورثے کا امین ہے۔ اس کے ارتقاء، علمی ذخائر، نادر مخطوطات اور منظم انتظام نے اسے نہ صرف علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بلکہ پورے ہندوستان اور عالمی سطح پر بھی ایک مثالی ادارہ بنادیاہے۔ اس کتب خانے نے اسلامیات، ادب، تاریخ، سائنس اور دیگر شعبہ جات میں تحقیق و تدریس کے فروغ میں جو کردار ادا کیاہے، وہ برصغیر کی علمی تاریخ کا روشن باب ہے۔ یہ لائبریری سر سید احمد خان کے اس خواب کی عملی تعبیر ہے جو انہوں نے ایک صدی سے بھی پہلے دیکھا تھا—ایک ایسا علمی ادارہ جو مسلمانوں کو ماضی کی عظمتوں پر فخر کرنے کے ساتھ ساتھ مستقبل کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے جدید علم و ہنر سے بھی لیس کرے۔

پانچواں باب: شمالی ہند میں مسلمانوں کے قائم کردہ کتب خانے - جدید دور کے چیلنجز، امکانات اور مستقبل کا لائحہ عمل

شمالی ہند میں مسلمانوں کے قائم کردہ کتب خانوں کا تاریخی سفر، جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان ہوا، عظمت، علم پروری اور تہذیبی شان و شوکت کی ایک لازوال داستان ہے۔ غزنوی دور کے دھندلکے سے لے کر مغلیہ سلطنت کے عروج تک، اور پھر نوآبادیاتی دور کی تباہی کے بعد احیائی تحریکوں کے ذریعے، ان اداروں نے علم کی شمع کو ہر طوفان میں روشن رکھا۔ آج یہ

کتب خانے ہمارے لیے صرف ایک تاریخی ورثہ ہی نہیں، بلکہ ہماری دینی، فکری اور تہذیبی شناخت کے قیمتی اثاثے ہیں۔ لیکن اکیسویں صدی کی تیز رفتار دنیا میں، جہاں علم کی نوعیت اور اس تک رسائی کے طریقے یکسر بدل چکے ہیں، یہ تاریخی ادارے متعدد سنگین چیلنجز سے نبرد آزما ہیں۔ ان کا مستقبل اس بات پر منحصر ہے کہ ہم ان مسائل کو کس قدر سنجیدگی سے سمجھتے ہیں اور ان کے حل کے لیے کیا لائحہ عمل مرتب کرتے ہیں۔

درپیش مسائل اور چیلنجز: ورثے کی بقا کا امتحان

یہ عظیم الشان کتب خانے، جو کبھی علم و تحقیق کے متحرک مراکز تھے، آج اپنی بقا اور افادیت کو برقرار رکھنے کے لیے کئی محاذوں پر جنگ لڑ رہے ہیں۔ ان مسائل کو بنیادی طور پر چار اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1- مالیاتی مسائل: فنڈ کی کمی اور حکومت سے وابستہ کتب خانوں کے تئیں حکومتی عدم توجہی

کسی بھی ادارے کو چلانے کے لیے مالی وسائل ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، اور بدقسمتی سے یہ ہمارے بیشتر تاریخی کتب خانوں کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔

ناکافی بجٹ: اگرچہ رضا لائبریری اور خدا بخش لائبریری جیسے اداروں کو "قومی اہمیت" کا درجہ حاصل ہے اور انہیں مرکزی حکومت سے فنڈز ملتے ہیں، لیکن یہ فنڈز اکثر عملے کی تنخواہوں اور روزمرہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ہی کافی ہوتے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کی خریداری، مخطوطات کے تحفظ کے مہنگے منصوبوں، اور نئی کتابوں کے حصول کے لیے اکثر بجٹ ناکافی ہوتا ہے۔

حکومتی عدم توجہی: جو کتب خانے ریاستی حکومتوں یا نجی ٹرسٹوں کے تحت ہیں، ان کی حالت اور بھی ناگفتہ بہ ہے۔ حکومتوں کی ترجیحات میں ثقافتی ورثے اور کتب خانوں کا نمبر بہت نیچے آتا ہے۔ فنڈز کے اجراء میں تاخیر اور کٹوتیاں معمول بن چکی ہیں، جس سے ان اداروں کی ترقی رک جاتی ہے۔

عوامی چندے کا فقدان یا کمی: دینی مدارس کے کتب خانوں کی بابت بھی یہ بات واضح طور پر محسوس کی جارہی ہے کہ آج مسلم معاشرے میں بھی ان علمی خزانوں کی سرپرستی کا وہ جذبہ ماند پڑ گیا ہے جو کبھی اس کی پہچان ہوا کرتا تھا۔

2-انتظامی مسائل: تربیت یافتہ عملے کی کمی اور جدید اصولوں کا عدم نفاذ

ایک کتب خانہ صرف کتابوں اور عمارت کا نام نہیں، بلکہ اس کو چلانے والے ماہر اور تربیت یافتہ عملے کا نام ہے۔ اس میدان میں بھی شدید مسائل درپیش ہیں۔

تربیت یافتہ عملے کی کمی: ہمارے بیشتر تاریخی کتب خانوں، خصوصاً جو مدارس یا خانقاہوں سے منسلک ہیں، میں لائبریری سائنس کی جدید تکنیک سے واقف عملے کی شدید کمی ہے۔ اکثر روایتی انداز میں کام کرنے والے افراد ہی ان کا انتظام سنبھالتے ہیں، جو کیٹلاگ سازی(Cataloguing) ، درجہ بندی(Classification) ، اور ڈیجیٹل آرکائیونگ (Digital Archiving) جیسے اہم امور سے ناواقف ہوتے ہیں۔

جدید اصولوں کا عدم نفاذ: آج کی لائبریری ایک متحرک معلوماتی مرکز (Dynamic Information Centre) ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے یہ کتب خانے اب بھی محض کتابوں کے گودام سمجھے جاتے ہیں۔ کتاب دوست ماحول، تحقیقی معاونت، اور معلوماتی خدمات (Reference Services) جیسے جدید تصورات پر عمل درآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔

جانشینی کا بحران: مخطوطہ شناسی(Manuscriptology) ، قدیم فارسی یا عربی خطوط کو پڑھنے کی مہارت (Palaeography) اور کتابوں کے تحفظ (Conservation) جیسے خصوصی فنون کے ماہرین تیزی سے ختم ہو رہے ہیں۔ نئی نسل میں ان مشکل اور کم معاوضے والے شعبوں کی طرف رغبت کم ہے، جس سے ایک خلا پیدا ہو رہا ہے۔

3- تکنیکی مسائل: ڈیجیٹلائزیشن کی سست رفتاری اور آن لائن رسائی کا فقدان

آج کا دور ڈیجیٹل دور ہے۔ اس تکنیکی میدان میں ہمارے تاریخی کتب خانے بہت پیچھے ہیں۔

ڈیجیٹلائزیشن کی سست رفتاری: اگرچہ چند بڑے اداروں نے ڈیجیٹلائزیشن کے منصوبے شروع کیے ہیں، لیکن ان کی رفتار بہت سست ہے۔ لاکھوں صفحات پر مشتمل مخطوطات اور نادر کتابوں کو اسکین کرنے کے لیے جدید آلات، تکنیکی مہارت اور خطیر رقم درکار ہوتی ہے، جو اکثر دستیاب نہیں۔

آن لائن رسائی کا فقدان: محض ڈیجیٹلائز کرنا کافی نہیں۔ اس مواد کو ایک منظم ڈیٹا بیس کی شکل میں آن لائن مہیا کرنا اصل چیلنج ہے۔ بیشتر کتب خانوں کے پاس فعال ویب سائٹس تک نہیں ہیں، آن لائن پبلک ایکسس کیٹلاگ (OPAC) کا تو ذکر ہی کیا۔ اس وجہ سے ان کے انمول خزانے عالمی محققین کی پہنچ سے دور ہیں۔

ٹیکنالوجی کا خوف: بعض اداروں میں آج بھی جدید ٹیکنالوجی کو اپنانے میں ایک طرح کی ہچکچاہٹ پائی جاتی ہے، جس سے وہ عالمی علمی برادری سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔

4-تحفظ کے مسائل :(Preservation) ورثے پر منڈلاتا خطرہ

سب سے فوری اور سنگین خطرہ ان نادر کتابوں اور مخطوطات کی طبعی حالت کو لاحق ہے۔ یہ کاغذی ورثہ وقت کے ساتھ ساتھ بوسیدہ ہو رہا ہے اور اگر فوری اقدامات نہ کیے گئے تو یہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکتا ہے۔

مخطوطات کی بوسیدگی: صدیوں پرانے کاغذ، سیاہی اور جلدیں قدرتی طور پر بوسیدہ ہو رہی ہیں۔ انہیں دیمک، کیڑے مکوڑوں، اور پھپھوندی سے شدید خطرہ لاحق ہے۔

ناقص اسٹوریج: بہت سے چھوٹے کتب خانوں میں کتابوں کو غیر معیاری الماریوں اور کمروں میں رکھا جاتا ہے جہاں درجہ حرارت اور نمی کو کنٹرول کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ یہ موسمی اثرات کاغذ کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔

کنزرویشلیب ۰ کا فقدان: مخطوطات کی سائنسی بنیادوں پر مرمت (Conservation) ایک انتہائی ماہرانہ اور مہنگا کام ہے۔ چند بڑے اداروں کو چھوڑ کر، بیشتر کتب خانوں کے پاس اس کام کے لیے نہ تو تربیت یافتہ عملہ ہے اور نہ ہی ضروری آلات اور کیمیکلز۔

یہ چیلنجز حقیقی اور سنگین ہیں، لیکن یہ ناقابلِ حل نہیں ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک مربوط، کثیر الجہتی اور طویل المدتی حکمتِ عملی کی ضرورت ہے، جس میں حکومت، ادارے اور عوام سب کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

امکانات اور مواقع :(Opportunities) ماضی کے ورثے سے مستقبل کی تعمیر

اگرچہ شمالی ہند کے مسلم کتب خانوں کو درپیش چیلنجز سنگین اور حقیقی ہیں، لیکن تصویر کا دوسرا رخ مایوس کن ہرگز نہیں۔ اکیسویں صدی کی ٹیکنالوجی، عالمی سطح پر ثقافتی ورثے میں بڑھتی ہوئی دلچسپی، اور جدید تحقیقی رجحانات نے ان اداروں کے لیے امکانات اور مواقع کے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔ اگر ان مواقع سے دانشمندی کے ساتھ فائدہ اٹھایا جائے تو یہ تاریخی کتب خانے نہ صرف اپنی بقا کو یقینی بنا سکتے ہیں، بلکہ عالمی علمی منظر نامے پر ایک بار پھر ایک اہم اور متحرک کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ڈیجیٹل آرکائیوز کے ذریعے عالمی محققین تک رسائی

جدید ٹیکنالوجی، جو ایک طرف چیلنج نظر آتی ہے، درحقیقت ان کتب خانوں کے لیے سب سے بڑا موقع ہے۔

علم کی عالمگیریت: ڈیجیٹلائزیشن ان کتب خانوں کو جغرافیائی حدود سے آزاد کر سکتی ہے۔ رامپور یا پٹنہ میں محفوظ ایک نادر مخطوطہ، جسے پہلے صرف چند خوش قسمت محققین ہی دیکھ سکتے تھے، اب ڈیجیٹل شکل میں دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھے اسکالر، طالب علم یا عام فرد کی اسکرین پر دستیاب ہو سکتا ہے۔ یہ عمل علم کے حقیقی جمہوری پھیلاؤ (Democratization of Knowledge) کو ممکن بناتا ہے۔

تحقیق کے نئے افق: آن لائن ڈیجیٹل آرکائیوز کی دستیابی سے تحقیق کی رفتار اور معیار دونوں میں اضافہ ہو گا۔ محققین گھر بیٹھے مختلف کتب خانوں کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ کر سکیں گے، جس سے نئے علمی نتائج اخذ ہوں گے۔ اس سے ان کتب خانوں کی عالمی علمی درجہ بندی (Global Academic Ranking) بھی بلند ہو گی۔

ورچوئل نمائشیں (Virtual Exhibitions): ویب سائٹس اور سوشل میڈیا کا استعمال کرتے ہوئے یہ کتب خانے اپنے بہترین مخطوطات، مصوری کے نمونوں اور خطاطی کے شاہکاروں کی آن لائن نمائشیں منعقد کر سکتے ہیں۔ اس سے نہ صرف ان کے ذخائر کی تشہیر ہو گی بلکہ عام لوگوں میں بھی اپنے ورثے کے بارے میں دلچسپی اور آگاہی پیدا ہو گی۔

ثقافتی سیاحت (Cultural Tourism) کے مراکز کے طور پر فروغ دینا

یہ کتب خانے محض علمی ادارے نہیں، بلکہ زندہ عجائب گھر اور عظیم تہذیبی ورثے کے امین ہیں۔ انہیں ثقافتی سیاحت کے نقشے پر ایک اہم مقام کے طور پر فروغ دیا جا سکتا ہے۔

علمی سیاحت (Academic Tourism): دنیا بھر میں محققین اور طلباء تحقیقی مواد کے لیے سفر کرتے ہیں۔ ان کتب خانوں کو "علمی سیاحت" کے مراکز کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہاں محققین کے لیے مناسب سہولیات (جیسے گیسٹ ہاؤس، تحقیقی معاونت، انٹرنیٹ) فراہم کی جائیں تو یہ بین الاقوامی اسکالرز کو اپنی طرف متوجہ کر سکتے ہیں۔

ورثہ کی سیاحت (Heritage Tourism): عام سیاح، جو کسی شہر کی تاریخ اور ثقافت میں دلچسپی رکھتے ہیں، ان کے لیے بھی یہ کتب خانے ایک پرکشش مقام بن سکتے ہیں۔ لائبریری کے اندر ایک چھوٹا سا میوزیم یا گیلری قائم کی جا سکتی ہے جہاں مستقل یا عارضی نمائشوں کے ذریعے منتخب نادر اشیاء کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس سے نہ صرف آگاہی بڑھے گی بلکہ ٹکٹوں اور سوینئرز (یادگاری اشیاء) کی فروخت سے آمدنی کا ایک نیا ذریعہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

ثقافتی سرکٹ (Cultural Circuit) کا حصہ: ان کتب خانوں کو مقامی تاریخی مقامات (جیسے قلعے، مقبرے، مساجد) کے ساتھ ملا کر ایک "ثقافتی سرکٹ" کے طور پر متعارف کرایا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، رامپور آنے والا سیاح نوابی محلات کے ساتھ رضا لائبریری کو بھی اپنے پروگرام کا حصہ بنائے۔

بین الاقوامی اداروں کے ساتھ اشتراک اور تحقیقی منصوبے

بین الاقوامی اشتراک ان کتب خانوں کو نئی زندگی بخش سکتا ہے۔

مشترکہ ڈیجیٹلائزیشن منصوبے: یہ کتب خانے دنیا کی بڑی لائبریریوں جیسے برٹش لائبریری، لائبریری آف کانگریس (امریکہ)، یا قطر ڈیجیٹل لائبریری کے ساتھ مشترکہ منصوبے شروع کر سکتے ہیں۔ یہ ادارے اکثر ترقی پذیر ممالک کے ورثے کو ڈیجیٹائز کرنے کے لیے تکنیکی اور مالی معاونت فراہم کرتے ہیں۔

علمی تبادلے کے پروگرام (Exchange Programs): بین الاقوامی یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں کے ساتھ عملے اور اسکالرز کے تبادلے کے پروگرام شروع کیے جا سکتے ہیں۔ اس سے ہمارے لائبریرینز کو جدید تکنیک سیکھنے کا موقع ملے گا اور غیر ملکی اسکالرز یہاں آ کر ان ذخائر پر کام کر سکیں گے۔

فنڈنگ کے نئے ذرائع: یونیسکو(UNESCO) ، گیٹی فاؤنڈیشن (Getty Foundation) اور دیگر بین الاقوامی ادارے ثقافتی ورثے کے تحفظ کے لیے گرانٹس فراہم کرتے ہیں۔ اپنے ادارہ جاتی پالیسی کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر مناسب ہو، تو ایک منظم اور ٹھوس منصوبہ بنا کر ان عالمی فنڈنگ ایجنسیوں سے مالی معاونت بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ان کتب خانوں کے منتظمین محدود سوچ سے باہر نکل کر جدید امکانات پر نظر ڈالیں، تو یہ ادارے نہ صرف اپنے مالی اور انتظامی مسائل پر قابو پا سکتے ہیں، بلکہ اکیسویں صدی میں علم و ثقافت کے فروغ کے لیے پہلے سے بھی زیادہ اہم اور مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ضرورت صرف ایک نئے وژن، تخلیقی سوچ اور عملی اقدامات کی ہے۔

اختتامیہ(Conclusion)

تاریخی سفر

شمالی ہند میں مسلمانوں کے قائم کردہ کتب خانوں کا سفر ایک عظیم اور تابناک روایت کی کہانی ہے۔ اس سفر کا آغاز غزنوی و غوری ادوار سے ہوا، جب لاہور اور دہلی جیسے شہروں میں ابتدائی علمی مراکز اور کتب خانے قائم ہوئے۔ سلاطین دہلی،

مغلیہ حکمرانوں، شرقی سلاطین، اور بعد ازاں مقامی ریاستوں نے نہ صرف کتب خانوں کی سرپرستی کی بلکہ انہیں علم و تحقیق کے مراکز میں تبدیل کر دیا۔

اکبر اعظم کے "کتب خانہ خاصہ" سے لے کر دارا شکوہ، جہاں آرا بیگم، اورنگزیب عالمگیر، اور پھر اودھ، رامپور، بھوپال، ٹونک، پٹیالہ جیسے مقامی حکمرانوں کے قائم کردہ کتب خانے، سب نے اس خطے کی علمی و تہذیبی شناخت کو جلا بخشی۔

نوآبادیاتی دور میں اگرچہ کتب خانوں کو شدید نقصان پہنچا، مگر ایشیاٹک سوسائٹی، خدابخش لائبریری، رضا لائبریری، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء اور دیگر اداروں نے اس روایت کو زندہ رکھا۔

علم و ثقافت میں کردار

ان کتب خانوں نے نہ صرف اسلامی علوم (قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، تصوف) بلکہ فلسفہ، طب، ریاضی، منطق، ادب، تاریخ، فنونِ لطیفہ اور سائنسی علوم کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ کتب خانے صرف کتابوں کا ذخیرہ نہیں بلکہ تہذیبی و فکری ارتقاء کے مراکز تھے، جہاں سے علمی مباحث، تصنیف و تالیف، ترجمہ، تحقیق اور بین المذاہب و بین الثقافتی مکالمے کو فروغ ملا۔ صوفی خانقاہوں، مدارس، جامعات اور شاہی کتب خانوں نے معاشرتی ہم آہنگی، رواداری اور علمی بیداری کو پروان چڑھایا۔

اہمیت و تحفظ کی ضرورت

آج کے دور میں جب کہ تیز رفتار سائنسی و تکنیکی ترقی، سماجی تبدیلیاں اور علمی رجحانات میں تغیرات رونما ہو رہے ہیں، ان کتب خانوں کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔

یہ کتب خانے ہمارے تہذیبی ورثے کے امین ہیں۔ ان کے نادر مخطوطات، قدیم مطبوعات اور علمی ذخائر کو محفوظ رکھنا نہ صرف ہماری علمی ذمہ داری ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک قیمتی امانت بھی ہے۔

ان کتب خانوں کے تحفظ، ڈیجیٹلائزیشن، جدید لائبریری سائنس سے ہم آہنگی، اور ماہرین کی تیاری کے لیے حکومتی، تعلیمی اور سماجی سطح پر سنجیدہ اقدامات کی ضرورت ہے۔

مستقبل میں کردار

مستقبل میں یہ کتب خانے نہ صرف تحقیق و تدریس کے مراکز رہیں گے بلکہ بین الاقوامی علمی و ثقافتی روابط کے فروغ، تہذیبی سفارت کاری، اور بین المذاہب مکالمے کے پلیٹ فارم کے طور پر بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

ڈیجیٹل دور میں ان کتب خانوں کے علمی ذخائر کو آن لائن دنیا تک پہنچانا، نوجوان نسل کو ان سے جوڑنا، اور علمی تحقیق کو فروغ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ان اداروں کو فعال، جدید اور عالمی معیار کے مطابق بنانے کے لیے مسلسل کوششیں جاری رہنی چاہئیں۔

آخری تاثرات

شمالی ہند کے مسلم کتب خانے صرف ماضی کی یادگاریں نہیں، بلکہ زندہ علمی و تہذیبی مراکز ہیں۔ ان کی حفاظت، ترقی اور فروغ میں ہی ہماری علمی بقا اور تہذیبی شناخت کا راز پوشیدہ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان اداروں کی قدر کریں، انہیں جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کریں اور آنے والی نسلوں کے لیے علم و تحقیق کے روشن مینار بنائیں۔ یہ کتب خانے نہ صرف ہماری تاریخ بلکہ ہمارے مستقبل کے بھی ضامن ہیں۔ "کتب خانے زندہ قوموں کی علامت ہیں؛ ان کی حفاظت، ترقی اور فروغ میں ہی قوموں کی دینی، علمی و تہذیبی بقا اور ترقی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حاصلِ تحقیق یا خلاصہ

یہ مقالہ " شمالی ہند میں مسلمانوں کے قائم کردہ کتب خانے - تاریخی جائزہ، کردار، علمی خدمات، موجودہ صورت حال اور مستقبل کے توقعات " کے عنوان کے تحت ایک طویل اور شاندار علمی سفر کے تذکرے اور تجزیے پر مشتمل ہے۔ اس تحقیق کا مقصد محض چند کتب خانوں کی تاریخ بیان کرنا نہیں تھا، بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ کتاب اور کتب خانہ شمالی ہند کی مسلم تہذیب کے ڈی این اے (DNA) کا حصہ رہے ہیں۔ یہ ادارے صرف علم کے محافظ نہیں، بلکہ اسلامی تہذیب کے فروغ اور ان کے فکری ارتقاء کے خاموش گواہ بھی تھے۔ اس پوری تحقیق سے جو نتائج اور اہم نکات سامنے آئے ہیں، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اہم نکات کا خلاصہ:

☆ ابتدائی صفحات میں ہم نے دیکھا کہ اسلامی تہذیب کی بنیاد ہی "اِقۡرَأۡ" (پڑھ) کے حکمِ الٰہی پر قائم ہے، اور قلم و کتاب کو روزِ اول سے مقدس مقام حاصل رہا ہے۔ بیت الحکمت سے لے کر قرطبہ تک، کتب خانے مسلمانوں کی علمی اور فکری برتری کی علامت تھے۔ یہی روایت جب شمالی ہند پہنچی تو اس نے ایک نئی تہذیب کی فکری بنیادیں فراہم کیں۔

☆ پھر ہم نے غزنوی دور کے ابتدائی نقوش سے لے کر سلطنتِ دہلی کے قیام تک کے کتب خانوں کے ارتقاء کا جائزہ لیا۔ ہم نے دیکھا کہ کس طرح لاہور، دہلی اور دیگر شہروں میں مدارس اور خانقاہوں کے ساتھ ذاتی اور ادارہ جاتی کتب خانے وجود میں آئے۔ فیروز شاہ تغلق جیسے علم پرور سلاطین نے نہ صرف کتب خانے قائم کیے بلکہ دیگر زبانوں کے علمی ورثے کو ترجمہ کروا کر محفوظ کرنے کی روایت بھی ڈالی۔

☆ تحقیق کا عروج مغلیہ دور کے مطالعے میں نظر آیا، جہاں کتب خانے شاہی وقار کا حصہ بن گئے۔ بابر کے ذاتی کتب خانے سے لے کر ہمایوں کی کتابوں سے محبت اور اکبر اعظم کے عظیم "کتب خانے" تک، جہاں ترجمہ، خطاطی، مصوری اور جلد سازی کے فنون نے کمال حاصل کیا۔ جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب عالمگیر نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس روایت کو آگے بڑھایا۔ اس دور میں نہ صرف شاہی کتب خانے، بلکہ زیب النساء مخفی جیسی شہزادیوں اور عبدالرحیم خانِ خاناں جیسے امراء کے ذاتی کتب خانے بھی علم و فن کے عظیم مراکز تھے۔

☆ پھر ہم نے اس شاندار روایت کے زوال کی المناک داستان بیان کی۔ مغلیہ سلطنت کے انحطاط اور بالخصوص 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد دہلی اور لکھنؤ کے علمی مراکز کی تباہی نے اس ورثے کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ ہزاروں نادر مخطوطات یا تو ضائع ہو گئے یا لوٹ کر یورپ کی لائبریریوں میں پہنچا دیے گئے۔ تاہم، اسی تاریک دور میں رامپور، بھوپال اور حیدرآباد جیسی مقامی ریاستوں نے علم کے بجھتے چراغ کو سہارا دیا اور بکھرے ہوئے خزانوں کو محفوظ کیا۔ اسی دور میں دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء اور دیگر مدارس و خانقاہوں کی صورت میں احیائی تحریکوں نے جنم لیا اور اپنے کتب خانوں کے ذریعے اسلامی علمی روایت کے تسلسل کو یقینی بنایا۔

☆ پھر ہم نے چند منتخب کتب خانوں کا تفصیلی اور بعض دوسرے کتب خانوں کا اجمالی جائزہ لیا۔ چنانچہ رامپور کی رضا لائبریری کو شاہی سرپرستی کے تسلسل، خدا بخش لائبریری کو ایک فرد کے عظیم خواب کی تعبیر، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء اور دیگر مدارس کی لائبریریوں کو دینی و فکری سرحدوں کی حفاظت میں نہایت ہی اہم کردار ادا کرنے والے اور علی گڑھ کی مولانا آزاد

لائبریری کو جدید علمی تحریک کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا۔ ان کے علاوہ دیگر اہم کتب خانوں کے جائزے نے یہ ثابت کیا کہ یہ علمی روایت کتنی وسیع اور متنوع تھی۔

☆ پھر ہم نے موجودہ دور کی تلخ حقیقتوں سے روشناس کرایا۔ ہم نے دیکھا کہ یہ عظیم ادارے آج مالی، انتظامی، تکنیکی اور تحفظ (Preservation) کے سنگین مسائل سے دوچار ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ہم نے یہ بھی واضح کیا کہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی، ثقافتی سیاحت اور بین الاقوامی اشتراک کی صورت میں ان کے سامنے امکانات اور مواقع کے نئے دروازے بھی کھلے ہیں۔

اس پوری تحقیق کا حاصلِ کلام یہ ہے کہ شمالی ہند میں مسلمانوں کا تہذیبی اور فکری سفر کتب خانوں کے بغیر ناقابلِ تصور ہے۔ یہ محض اینٹ اور گارے کی عمارتیں نہیں، بلکہ ایک تہذیب کی اجتماعی یادداشت (Collective Memory) کے مراکز ہیں۔

شمالی ہند میں مسلم کتب خانوں کا ارتقاء یہاں مسلم تہذیب کے سیاسی، سماجی اور فکری ارتقاء کے عین متوازی رہا ہے۔ کتب خانوں کی ترقی اور کردار کا انحصار براہِ راست ان کے سرپرستوں کے وژن پر رہا ہے۔ مغلیہ دور میں بادشاہوں اور امراء کی ذاتی دلچسپی نے انہیں فنونِ لطیفہ کا مرکز بنایا۔ مقامی ریاستوں (جیسے رامپور) نے انہیں ورثے کے محافظ کے طور پر دیکھا۔ جبکہ دار العلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء جیسے اداروں نے انہیں اپنی نظریاتی اور تعلیمی تحریک کا محور بنایا۔

مدارس اور خانقاہوں سے منسلک چھوٹے کتب خانوں نے، باوجود وسائل کی کمی کے، مقامی سطح پر علمی روایت کو زندہ رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ ان کی خدمات کو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ زمینی سطح پر علم کے تسلسل کے سب سے بڑے ضامن رہے ہیں۔

یہ کتب خانے ہمارے ماضی کا فخر اور حال کا اثاثہ ہیں۔ ان کا تحفظ، فروغ اور انہیں جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا صرف حکومت یا چند اداروں کی ذمہ داری نہیں، بلکہ پوری قوم کا فرض ہے۔ ان کی خاموش راہداریوں میں آج بھی تاریخ سرگوشیاں کرتی ہے، اور ان کے اوراق میں ایک عظیم تہذیب کا مستقبل پوشیدہ ہے۔

ان تاریخی کتب خانوں کا مستقبل صرف ماضی کی عظمت کے گن گانے پر منحصر نہیں، بلکہ جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت پر ہے۔ ڈیجیٹلائزیشن، عالمی اداروں سے اشتراک، اور ثقافتی سیاحت کے طور پر ان کی نئی شناخت، ان کی بقا اور افادیت کو بڑھانے کے لیے ناگزیر ہے۔